JULY 2007

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیت

Reg: CPL No. 80

جولائی

2007

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

☆ موجودہ دور کے عظیم صوفی اور بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کا علمبردار۔

☆ رُہبانیت اور شرک سے پاک اور قرآن وسنت کے عین مطابق راہ فقر کی تعلیم کا داعی۔

☆ وحدتِ اُمت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا ترجمان۔

☆ فرقہ واریت، غصہ اور نفرت ختم کر کے عالمگیر محبت اپنانے کا نقیب۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

منشورِ دعوت

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً
وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ
وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ط

الاعراف۔205

ترجمہ

اپنے رب کو اپنے دِل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ، اُونچی آواز نکالے بغیر، صبح وشام یاد کرو۔ اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔

ماہنامہ
آدمیت
فلاح
گوجرانوالہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 10 شمارہ 10 جولائی 2007ء جمادی الثانی 1428ھ

قیمت ———— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

(درس قرآن)

حکومت و اقتدار ایک آزمائش

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملکؒ)

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ فرعون کی شکایت کرتے ہو کہ اس نے ہمارے بیٹوں کو ذبح کیا اور ہماری بچیوں کو زندہ رکھا۔ اُس نے اپنی بادشاہت سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ لو اس کی ہلاکت کا وقت آیا چاہتا ہے۔ وہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں خلافتِ ارضی ملے گی مگر یہ مت سمجھنا کہ یہ خلافتِ ارضی، حکومت، وزارت و امارات یہ دادِ عیش کے لئے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ حکومت دینے کے بعد یہ بھی دیکھے گا کہ یہ حکومت سنبھالنے کے بعد تم کیسے عمل کرتے ہو اور مت بھولنا کہ حکومت کی یہ فرصت مہلت بہت قلیل ہوتی ہے۔

شانِ نبوت

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کے بارے میں بائبل کے حوالے سے بڑی عمدہ باتیں آ رہی ہیں کہ نبی اُمی محمد ﷺ (ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان) کے بارے میں فرمایا گیا کہ اُن کا ذکر توریت، انجیل اور زبور میں ہے۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ اگر تم نے کبھی غور سے اپنی ہی کتابوں کو پڑھا ہو تو محمد ﷺ کو پہچاننے میں تمہیں کچھ دیر نہ لگتی۔ حضور اکرم ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ حلال کو حلال بتاتے ہیں جبکہ حرام کو حرام۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر جو شریعت نازل ہو رہی ہے، وہ فرقان ہے، حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے ممیّز کرنے والی ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام یہ ہے کہ لوگوں کی گردنوں کو غلامی سے آزاد کراتے ہیں۔

نبی کا مشن۔ غلامی سے نجات

ہر نبی کا یہ مشن رہا ہے کہ وہ انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کراتے ہیں اور اسے صرف اللہ کی غلامی میں دے دیتے ہیں اور یہ نبوت کا معیار اور کسوٹی ہے۔ اگر کوئی نبوت کا دعویدار استعمار کا پشتیبان ہو تو سمجھ لیجئے کہ اُسے اللہ نے نہیں بلکہ کسی اور نے بھیجا ہے۔

علمائے انجیل اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت سنانے میں سب سے بڑا کارفرما عامل یہ تھا کہ وہ غلامی کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔ اس دور میں سلطنت روما میں عام آبادی میں نوے فیصد غلام اور دس فیصد آزاد انسان بستے تھے۔ یہی دس فیصد آزادان 90 فیصد غلاموں کے مالک بھی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان غلاموں کو آزادی پر

اکسار ہے تھے جس کی وجہ سے سلطنت روما کا پورا معاشرتی نظام بہت بڑے انقلاب آزادی کی زد میں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کی حکومت نے مذہبی پروہتوں کی مدد سے یہ فیصلہ کرلیا کہ حضرت عیسیٰ سے نجات حاصل کرلی جائے۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے غلامی کی صورت حال اور بھی خراب ہو چکی تھی۔ اس زمانے کا اصل سرمایہ جاگیریں اور کارخانے نہیں بلکہ غلاموں کی تعداد تھی۔حضور اکرم ﷺ (ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) کا یہ بہت بڑا معجزہ ہے کہ آپؐ نے 35,30 سال کی مدت قلیل میں غلامی جو نوے فیصد سے زیادہ تھی، کا بالکل قلع قمع فرما دیا۔حضرت عمرؓ کے دور تک پہنچتے پہنچتے مسلمان معاشرہ میں ایک غلام بھی موجود نہ تھا۔غلامی کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا چکا تھا۔

اب ان آیات پر غور کیجئے گا۔ان میں رحمت کے حق داروں کا ذکر ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جو میری رحمت ہے، وہ ہر چیز پر محیط ہے میں یہ ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو (گناہوں سے) بچتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی امی ﷺ کی پیروی اختیار کریں، جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔وہ ﷺ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے۔ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔اے محمد ﷺ! تم کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو۔اس کی امید ہے کہ تم راہ راست پالو گے۔''(الاعراف:156-158)

آفاقی رسالت

پھر یہ بات کہی گئی کہ نبی اکرم ﷺ سابقہ انبیاء کی طرح کسی خاص قوم، علاقے اور وقت کے لئے نبی نہیں تھے:

ارشادباری تعالیٰ ہے:

قل یایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاo

''کہہ دیجئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں'' (الاعراف:158)

کوئی بھی انسان، وہ کہیں بھی، کسی وقت بھی اس دنیا میں آنکھ کھولے تو محمد رسول اللہ ﷺ اس کے لئے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ کی رسالت میں آفاقیت ہے۔

حرام کی طرف بڑھنے سے حلال کا راستہ بند ہوجاتا ہے

اب ایک اہم واقعہ کا ذکر آتا ہے۔ جو اسی سورۃ میں مذکور ہے۔

ساحل کے قریب ایک بستی کے لوگوں سے کہا گیا کہ تم ہفتے میں چھ دن شکار کرو اور ایک دن چھٹی کرو۔ اس دن شکار نہ کرو، یعنی یوم السبت مراد (ہفتہ کے دن) شکار سے باز رہو گے۔ اب انسان میں لالچ ہو تو اس کا اپنے آپ پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔ اُنہوں نے یوں کیا کہ کوئی حیلہ بہانہ کر کے شکار کرتے رہے۔ جب یوم السّبت کو شکار کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک آزمائش میں ڈال دیا اور وہ یہ کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں شکار کے لئے نمودار ہوتی تھیں، باقی دن انہیں مچھلیاں ملتی ہی نہ تھیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جب چھ دن شکار کے لئے رکھے تھے، کیا وہ کافی نہ تھے؟ لیکن انہوں نے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو نا کافی سمجھا اور حلال میں حرام کو ملانے کی کوشش کی۔ جب حلال میں حرام کو ملانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں حرام ہی کی توفیق دی اور حلال کا راستہ بند کر دیا۔

جو لوگ رشوت کے عادی ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر وہ رشوت نہ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے حلال رزق میں اتنی برکت ڈالے گا کہ انہیں رشوت لینے کی ضرورت ہی نہ آئے گی۔ اب جبکہ انہوں نے رشوت کا دروازہ اپنے اوپر کھول لیا ہے تو اب رشوت کے بغیر گزارا نہیں ہوگا۔ یہ بالکل وہی یوم السّبت والی کیفیت ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے:

وسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر اذیعدون فی السبت اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرعاً ویوم لا یسبتون لا تاتیھم ج کذلک ج نبلوھم بما کانوا یفسقون o

''ذرا ان سے اس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ انہیں وہ واقعہ یاد دلاؤ کہ وہاں کے لوگ ہفتہ کے روز احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ مچھلیاں ہفتے ہی کے روز اُبھر اُبھر کر سطح آب پر اُن کے سامنے آتی تھیں اور سنیچر کے سوا باقی ایام میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ ہم اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے'' (اگر وہ سنیچر کے روز شکار کھیلنا بند کر دیتے تو مچھلیاں سنیچر کے روز نہ آتیں بلکہ بقیہ چھ روز میں آتیں)(الاعراف:163)

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حلال کا اتنا رزق دے کہ حرام کی ضرورت پیش نہ آئے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حرام سے بچنے کا عزم صمیم حاصل ہوتا کہ حلال کا راستہ کھل جائے اور حرام کی ضرورت ہی نہ رہے۔

حرام خوروں پر عذاب الٰہی

اس واقعے کے بعد قرآن مجید ہی میں مزید ذکر ہے کہ جب بنی اسرائیل نے یہ حیلہ بازی شروع کی تو قوم میں مختلف طبقات پیدا ہوئے۔

1۔حیلہ باز اور ان کے سرپرست۔

2۔گوشہ نشین۔

3۔اس گناہ اور حیلہ بازی سے روکنے والے۔

قرآن شہادت دیتا ہے کہ گوشہ نشین لوگوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے طبقے کو بھی بہکانے کی کوشش کی اور کہا کہ اس بد بخت قوم کو نصیحت سے کیا حاصل؟

مقصد دعوت و تبلیغ

اس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حقیقی مقصد دراصل تقویٰ اختیار کرنا ہے۔

قالوا معذرةً الٰی ربکم ولعلھم یتقونo

''اُنہوں نے کہا کہ اس لئے کہ تمہارے رب کے سامنے معذرت کرسکیں اور تعجب نہیں کہ وہ گناہوں سے بچ جائیں۔''(الاعراف:164)

مخلوق الٰہی کو گمراہی میں دیکھ کر خاموش بیٹھ رہنا تقاضائے ایمان کے منافی ہے اور آخرت میں اس کی بابت باز پرس ہوگی، اس لئے ہم اتمام حجت کر کے اپنے رب کے حضور سرخرو ہونا

چاہتے ہیں اور دوسرا نقطہ نظر یہ بھی کہ اگر وہ ہماری اس نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں تو آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچ جائیں گے۔اس سلسلے میں ایک حدیث پیش خدمت ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من رای منکم منکرا فلیغیره بیده و ان لم یستطع فبلسانه و ان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان

''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو (اولاً) اُس کو ہاتھ (کی طاقت) سے روکے اور اگر وہ اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل سے (اس کو بُرا مانے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔'' (بخاری)

آج ہم لوگ مصلحتوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ہمیں اپنی عزیز داری، مفادات اور تعلقات زیادہ عزیز ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں ہم لوگ کھلم کھلا احکام الٰہی اور سنت رسول کی مخالفت اور بغاوت دیکھتے ہیں اور ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔اس قسم کے گوشہ نشینوں اور مصلحت بینوں کا انجام یوں مذکور ہے۔

فلما نسوا ما ذکروا به انجینا الذین ینهون عن السوٓء واخذنا الذین ظلمو بعذاب بئیس بما کانوا یفسقونo

فلما عتوا عن ما نهوا عنه قلنا لهم کونوا قردةً خاسئینo

''پس جب انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے۔اُن کو ہم نے بچا لیا اور جو ظلم کرتے تھے،ان کو نافرمانیوں کے سبب اُن کو عذاب میں پکڑ لیا۔غرض جن اعمال (بد) سے ان کو منع کیا گیا تھا،وہ اُن پر اصرار اور ہمارے حکم سے روگردانی کرتے رہے تو ہم نے اُن کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔'' (الاعراف:165-166)

پھر فرمایا کہ ہم اُن کو ہر طرح کی نعمت اور مصیبت میں مبتلا کر کے اُن کی آزمائش کرتے ہیں اور قیامت کا بہترین گھر اور بہترین بدلہ **متقین** کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکوکار لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

اس کے بعد جو ذکر ہے،وہ اگر کسی انسان کی سمجھ میں آجائے تو یقین مانئے کہ دل ہل جاتا ہے کیونکہ اس میں بنی اسرائیل کے حوالے سے ذکر ہے کہ جب انہوں نے احکام الٰہی کو ماننے سے

پہلو تہی کی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو سائبان کی مانند اُن کے سروں پر معلق کر کے حکم دیا:

خذوا مآ اتینکم بقوة و اذکروا مافیه لعلکم تتقونo

''جو ہم نے تمہیں دیا، اُس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اُس میں لکھا ہے، اُس پر عمل کرو تا کہ (عذاب سے) بچ جاؤ۔'' (الاعراف:171)

معلوم ہوا کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ چھوٹا موٹا عذاب دکھا کے بھی راہِ مستقیم پر آنے کا موقع دیتے ہیں۔

عہدِ فطرت

سورۃ الاعراف میں اس مقام پر ایک قدیم عہد کا ذکر ہے جس کے بارے میں ایک صحابی سیدنا ابئی بن کعبؓ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کیا اور (ایک ایک قسم یا ایک ایک دور کے) لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں منظم و مرتب کر کے انہیں انسانی صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی، پھر اُن سے عہد و پیمان لیا گیا اور خود ان انسانوں ہی کو اُن کے اس عہد پر گواہ بنا کر پوچھا کہ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''؟ انہوں نے عرض کیا ''ضرور آپ ہمارے رب ہیں''۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''میں تم پر زمین و آسمان سب کو اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ ٹھہراتا ہوں تا کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ خوب جانو! کہ میرے علاوہ عبادت کا کوئی مستحق نہیں اور نہ میرے علاوہ کوئی رب ہے۔ لہٰذا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا جو تم کو یہ عہد یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتاب بھی نازل کروں گا۔ اس پر سب انسانوں نے کہا کہ ''ہم گواہ ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب اور آپ ہی ہمارے معبود ہیں۔ آپ کے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے اور نہ رب''۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

واذاَخـذربك من بنی ادم من ظهورهم ذریتهم واشهد هم علـی انـفسهـم الست بربکم ۔ قالوا بلی شهدنا ۔ ان تقولوا یوم القیمة انا کنا عن هذا غفلینo

اوتـقـولـوا انـمـا اشـرك اباؤنا من قبل وکنا ذریة من بعدهم افتهلکنا بما فعل المبطلونo

''اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پشت سے ان کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے سامنے اقرار کرالیا (یعنی ان سے پوچھا گیا کہ) میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے: ''کیوں نہیں؟ ہم گواہ ہیں'' (کہ تو ہمارا رب ہے۔ یہ اقرار اس لئے کرایا) کہ (تم) قیامت کے دن (یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہیں تھی یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو اُن کی اولاد تھے (جو) اُن کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہل باطل کرتے رہے، اس کے بدلے ہمیں ہلاک کرتا ہے۔'' (الاعراف: 172-173)

اس آیت کریمہ سے انسانوں پر یہ بات واضح کر دی کہ جو شخص بھی شرک کا ارتکاب کرے گا، اپنے خالق کے احکام سے بغاوت کرے گا' وہ اپنے گناہوں کا خود ذمہ دار ٹھہرے گا۔ قیامت کے روز لاعلمی کا عذر تراش کر یا سابقہ نسلوں کی گمراہی کی تقلید کا بہانہ بنا کر بری نہ ہو سکے گا۔ رہا یہ سوال کہ وہ عہد و پیمان آج ہمارے شعور یا یادداشت میں محفوظ نہیں تو اس کے بارے میں واضح سا معاملہ ہے کہ دنیا تو دارُالامتحان ہے اگر یہ بات شعور اور حافظے میں محفوظ ہوتی تو مقصد امتحان فوت ہو جاتا۔ البتہ تحت الشعور میں آج بھی یہ یقیناً محفوظ ہے۔ جدید دور کی اصطلاح میں اس کو وجدان کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

یہ عہد و میثاق کیسے بھلوا دیا گیا۔ ایک مثال

یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی جا سکتی ہے۔ ہمارے وجدان میں یہ بات طویل عرصے سے موجود ہے کہ فلاں شخص میرا والد ہے اور فلاں خاتون میری والدہ ہے۔ ہر چند کہ اس وقت یہ بات ہمارے شعور میں موجود ہے کیونکہ والدین آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ اگر والدین آنکھوں کے سامنے موجود نہ ہوتے تو کیا ضرورت ہوتی؟

ذرا وہ وقت یاد کرنے کی کوشش کیجئے جب ہمارے والد بہت سی محبت کے عالم میں ہم سے یہ پوچھا کرتے تھے: ''تمہارا پاپا کون؟'' والدہ یوں پوچھتیں: ''تمہاری ماما کون؟'' اور ہم اسی پیار و محبت کے عالم میں اُن کی طرف انگلی کا اشارہ کر دیتے تھے۔ اس اشارہ پر دونوں ماں باپ فرطِ محبت میں آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ مگر یہ سارا واقعہ ہمیں اب یاد نہیں ہے۔

کچھ اسی قسم کا واقعہ عالم ارواح میں ہوا ہوگا۔ ہمارے آقا نے پوچھا ہوگا: ''تمہارا آقا کون؟ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟'' اور ہم نے اُسی انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ہوگا: ''کیوں

نہیں سائیں! آپ ہی تو ہمارے آقا و مولا ہیں۔"

اب جس طرح ہمیں وہ واقعہ یاد نہیں جس میں ہم نے والدین کے ساتھ قول و اقرار کیا تھا' اسی طرح ہمیں "**قالو بلٰی**" والا واقعہ بھی یاد نہیں۔ دونوں واقعات ہمارے تحت الشعور میں ہیں۔

دیکھا تو ہوگا ہم نے ازل میں ترا جمال
لیکن وہ کوئی وقت نہ تھا امتیاز کا

اللہ تعالٰی کی آیات سے بغاوت۔ ایک مثال

اس تفصیل کے بعد قرآنِ مجید میں ایک ایسے شخص کی مثال دی گئی ہے جس کے متعلق اللہ نے چاہا کہ وہ بلندی اختیار کرے اور یہ اللہ کی تعلیمات اور اُس کے قرآن کے ذریعے ہی سے ممکن ہے لیکن وہ شخص اللہ تعالٰی کی پابندیوں سے نکل بھاگا۔ اِس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک ہانپتے ہوئے کتے پر بوجھ ڈالا جائے تو وہ ہانپنے لگے اور اگر بوجھ نہ بھی ڈالا جائے تو بھی زبان نکال کر ہانپتا ہی رہے۔ اُس کے ہانپنے کی کیفیت کو ایک علامت کے طور پر حرص اور شہوت زدہ جانور کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ آیت اور ترجمہ پیش خدمت ہے:۔

وکذلك نفصل الایت و لعلهم یرجعونo

واتل علیهم نبا الذی اتینه ایتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطن فکان من الغوینo

ولو شئنا لرفعنه بها ولکنه اخلد الی الارض واتبع هوه۔ فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث اوتترکه یلهث۔ ذلك مثل القوم الذین کذبوا بایتنا فاقصص القصص لعلهم یتفکرون o ساء مثلا ن القوم الذین کذبوا بایتنا وانفسهم کانوا یظلمون o من یهد اللّٰه فهو المهتدی۔ ومن یضلل فاولئك هم الخسرونo ولقد ذرانا لجهنم کثیرًا من الجن والانس۔

"اے محمد ﷺ اُن کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ اُن کی پابندی سے نکل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے تو اُسے ان آیتوں کے ذریعے سے بلندی عطا کرتے۔

مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا، لہٰذا اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ تم اس پر بوجھ لادو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور تم اسے چھوڑ دو تو تب بھی زبان لٹکائے رہے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ تم یہ حکایات ان کو سناتے رہو شاید کہ یہ کچھ غور و فکر کریں۔ (یہ) بہت ہی بری مثال ہے ایسے لوگوں کی، جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے بس وہی راہِ راست پاتا ہے اور جس کو اللہ اپنی راہنمائی سے محروم کردے، وہی ناکام و نامراد ہو کر رہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کیلئے پیدا کیا تھا"۔ (الاعراف۔179-175)

یہ دراصل ایسا جملہ ہے جو بہت دُکھ کے عالم میں کہا جا رہا ہے بالکل ویسے جیسا کہ ایک ماں اپنے بیٹے پر ماتم کرتے ہوئے کہتی ہے کہ میں تو تجھے ڈوب مرنے کو پیدا کیا تھا۔ ماں دراصل یہ نہیں چاہتی کہ وہ ڈوب کر مر جائے لیکن بہت غم و اندوہ کے عالم میں یہ کہتی ہے۔ بالکل غم کی اسی کیفیت میں یہ جملہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ہم نے اُن کو جہنم ہی کیلئے پیدا کیا تھا۔ اس کی وجہ یوں بیان کی گئی:۔

لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها أولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغفلون۔

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ اس سے سوچتے نہیں۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں مگر اُن سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوگئے ہیں"۔ (الاعراف۔179)

قرآنِ مجید کا انداز اس قدر تڑپا دینے والا ہے کہ وہ لوگ جو غور و فکر، تذکر اور تدبر سے کام نہیں لیتے، اُن کا سننا ایسے ہی ہے جیسا کہ آپ گاڑی پر جا رہے ہوں ایک جانور سڑک پر کھڑا ہو آپ ہارن دیتے رہیں لیکن وہ مزے سے کھڑا ہے اور ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ بالکل یہی حالت ان لوگوں کی بیان فرمائی ہے۔ قرآنِ مجید کی آیات اسی لئے بھیجی گئی ہیں کہ انسان انہیں کھول کر دیکھے، پڑھے اور انہیں سمجھے، ان پر غور و فکر اور تدبر سے کام لے۔ یہ اللہ کا پیغام ہے، اسے وصول کرے، قبول کرے اور پوری زندگی میں اسے اپنائے اور عملاً اختیار کرے، اپنے آپ کو اسی کے رنگ میں رنگ لے ورنہ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

توبہ کی تعریف اور حقیقت

(پیرخان توحیدی)

جب آدمی سے کوئی کبیرہ یا صغیرہ گناہ سرزد ہوجائے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اپنے گناہ پر نادم اور شرمندہ ہوکر اللہ سے معافی کی درخواست کرے اور آئندہ کیلئے اِس گناہ کے قریب بھی نہ جائے یہی توبہ ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ قبول توبہ کے ساتھ توجہ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بندہ نے دل سے توبہ کی ہے اور آئندہ کیلئے اِس گناہ سے بیزار ہوگیا ہے اور جو توبہ کرنے کے بعد بھی برابر گناہ کرتا رہتا ہے یہاں تک اِس کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہو اور اُسے دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں تو کہنے لگا میں اب توبہ کرتا ہوں تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ بندہ خطاؤں کا پتلا ہے شیطان سائے کی طرح اس کے ساتھ چمٹا رہتا ہے اور ہر وقت اسے گناہوں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ چونکہ انسان کمزور اور نادان ہے وہ شیطان کی چالوں میں آ کر گناہ کر دیتا ہے لیکن رحیم و کریم اللہ پھر بھی اپنے بندے کے ساتھ شفقت فرماتا ہے اور اسے معاف فرما دیتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہوکر معافی کا طلبگار ہوجائے۔

گناہ کرنے کی بھی دو قسمین ہیں ایک قصداً و اختیار سے کیا ہوا گناہ اور ایک انجانی اور نادانی سے کیا ہوا گناہ۔ قران کی رُو سے اگر کوئی انجانی اور نادانی سے گناہ کرے تو اُس کی توبہ قبول ہوگی جیسے کہ **یعملون السوءَ بجھالۃٍ**۔ یعنی نادانی سے گناہ کر بیٹھا تو توبہ قبول ہوگی جان بوجھ کر کریگا تو توبہ قبول نہ ہوگی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جو تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ جہالت سے اِس جگہ یہ مُراد نہیں کہ اِس کو گناہ کے گناہ ہونے کی خبر نہ ہو یا گناہ کا قصد و ارادہ نہ ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ اِس کو گناہ کے انجام بد اور اُخروی عذاب سے غفلت اور اِس گناہ پر اقدام کا سبب ہوگئی ہو اگر چہ گناہ کو گناہ جانتا ہو اور اِس کا مقصد و ارادہ بھی کیا ہو دوسرے الفاظ میں جہالت کا لفظ اِس جگہ حماقت اور بیوقوفی کے معنی میں ہے۔ اِس کی نظیر سورہ یوسف میں ملتی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا **ھل علمتم ما فعلتم بیوسف و اخیہ**

اذا انتم جاهلون ٥اس میں بھائیوں کو جاہل کہا گیا حالانکہ انہوں نے جو کام کیا تھا وہ کسی خطایا نسیان سے نہیں بلکہ قصداً اور ارادتاً جان بوجھ کر کیا تھا مگر اِس فعل کے انجام سے غفلت کے سبب ان کو جاہل کہا گیا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اِس پر متفق تھے کہ بندہ جو گناہ کرتا ہے خواہ بلا قصد یا با القصد بہر حال جہالت ہے اِس لئے صحابہ و تابعین اور تمام اُمت کا اِس پر اجماع ہے کہ جو شخص قصداً یا ارادتاً کسی گناہ کا مرتکب ہو اس کی بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے لیکن اِس میں شرط یہ ہے کہ قریب زمانہ ہی توبہ کرے تو بہ کرنے میں دیر نہ کرے۔اِس میں قریب کا مطلب کیا ہے؟ اس کیلئے نبی رحمت کی ایک حدیث جس کے راوی حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ ہیں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ مومن موت سے پہلے چاہے وہ ایک ماہ ہو ایک دن ہو یا ایک گھڑی توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ سچی توبہ کی ہو(ابن کثیر)۔اِس سے ثابت ہوا کہ انسان کی پوری عمر کا زمانہ قریب ہی میں داخل ہے۔ موت سے پہلے پہلے جو توبہ کر لی جاوے قبول ہو گی البتہ موت کے وقت کی توبہ قبول نہ ہو گی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں قریب کے زمانے کی تعریف یوں کی ہے۔کہ موت کے قریب انسان پر دو حالتیں پیش آتی ہیں۔ایک یاس و نا اُمیدی کی حالت جبکہ انسان ہر دوا اور تدبیر سے عاجز ہو کر یہ سمجھ لے کہ اب موت آنے والی ہے اور دوسری حالت اِس کے بعد کی ہے جب نزع روح شروع ہو جائے کا وقت آ جائے۔یہی حالت قریب میں داخل ہے اِس میں توبہ قبول ہوتی ہے دوسری حالت جبکہ فرشتے اور عالم آخرت کی چیزیں انسان کے سامنے آنی شروع ہو جائیں وہ قریب کے مفہوم میں داخل نہیں اِس وقت توبہ قبول نہ ہو گی۔جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے خواہ جان بوجھ کر قصداً یا ارادہ سے کرے وہ بہر حال جہالت ہے۔ایسے گناہ کی توبہ اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔یعنی اِس کا وعدہ فرما لیا ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو عمر بھر جرات کے ساتھ گناہ کرتے رہے اور کبھی بھی گناہوں پر نادم نہ ہوئے۔اور جب موت سر پر آ پہنچی تو کہنے لگے اب ہم توبہ کرتے ہیں انہوں نے عمر گنوا کر توبہ کا وقت کھو دیا اِس لئے یہ توبہ قبول نہ ہو گی جیسے فرعون اور آل فرعون نے

غرق ہونے کے وقت پکارا کہ ہم رب موسیٰ اور ہارون پر ایمان لاتے ہیں جواب ملا کہ اب ایمان لاتے ہو جبکہ وقت گذر چکا اب عذاب کیلئے تیار ہو جاؤ۔ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ گناہ پر اقدام کے تین درجے ہیں۔

(1) کسی گناہ کا کبھی ارتکاب ہی نہ ہو۔ یہ فرشتوں کی خصوصیت ہے یا انبیاء علیہم السلام کی۔

(2) گناہوں پر اقدام کرے اور پھر ان پر اصرار جاری رکھے کبھی ندامت محسوس نہ کرے اور نہ ہی انکے ترک کرنے کا خیال کرے یہ درجہ شیاطین کا ہے۔

(3) گناہ سرزد ہو تو فوراً اس پر ندامت محسوس کرے اور آئندہ اس کے ترک کرنے کا پختہ عزم کرے وہ اللہ سے معافی مانگے یہ مقام بنی آدم کا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو اپنے گناہوں پر اللہ سے توبہ کرو اور سچی توبہ کرو تو کچھ عجب نہیں کہ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما کر تمہیں اپنی جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ آدمی ساری عمر اللہ کی نافرمانیاں کرتا رہے مگر موت سے پہلے سچے دل سے توبہ کرے تو نہ صرف اس کا قصور معاف کر دیا جائے گا بلکہ اللہ اُسے اپنے محبوب بندوں میں شامل کر کے جنت کا وارث بنا دے گا۔ نبی رحمت کا ارشاد ہے **التائب حبیب اللّٰہ و التائب من الذنب کمن لا ذنب له** (ابن ماجہ) یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اللہ کا محبوب ہے اور جس نے گناہ سے توبہ کی تو گویا اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کر لے اور وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو جائے تو صرف یہی نہیں کہ اس پر مواخذہ نہ ہو گا بلکہ اس کے گناہ کو نامہ اعمال سے مٹا دیا جائے گا تا کہ کل قیامت کو اِسے شرمندگی اور رسوائی نہ ہو۔ بتقاضائے بشریت پھر بھی کبھی اس سے گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو پھر توبہ کرے اور اپنی توبہ کے مقبول ہونے کی اُمید رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نا اُمیدی نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان تو اگر سو بار بھی توبہ توڑ کر پھر توبہ کرے تو میں تیری توبہ پھر قبول کرونگا۔ کیونکہ

ایں درگہ مادرگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے اعمال میں توبہ والے عمل پر جتنی خوشی ہوتی ہے اُتنی اور کسی عمل پر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ انسان سے کوئی خطا سرزد ہی نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ یہ ہے کہ خطا ہونے پر، گناہ ہونے پر توبہ کے ذریعہ اپنے گناہ کو معاف کرائے۔ ایک روایت میں ہے ترجمہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ خوشی ہوتی ہے اپنے بندے کی توبہ سے جب وہ توبہ کرتا ہے اِس شخص سے بھی بڑھ کر جو کسی ریگستان میں اپنے اونٹ پر اپنے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے تھک کر کسی درخت کے سائے میں اپنے اونٹ کو باندھ کر ستانے کیلئے لیٹ جاتا ہے اور تھکاوٹ کی وجہ سے اُسے نیند آ جاتی ہے اور جب تھوڑی دیر کے بعد جاگتا ہے تو اپنے اونٹ کو اپنے زادِراہ کے ساتھ غائب پاتا ہے۔ وہ شخص سخت پریشانی اور مایوسی کے عالم میں اِدھر اُدھر اپنے اونٹ کی تلاش میں بھاگتا ہے لیکن کوئی نشان نہیں ملتا۔ آخر ہر طرف سے مایوس اور نا اُمید ہو کر اُسی درخت کے سائے تلے آ بیٹھتا ہے اور موت کا انتظار کرتا ہے کہ پھر اُس کی آنکھ لگ جاتی ہے اب کی بار جب بیدار ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اُس کا اونٹ پورے مال و اسباب کے ساتھ کھڑا ہے اُس نے اُس کی نکیل کو تھاما اور خوشی سے بے خود ہو کر پکار اُٹھا کہ اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں اِس نے فرطِ مسرت سے ایسی غلطی کر لی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ ایسی قوم لے آئے جو گناہ کرے پھر استغفار کرے اور اللہ انہیں بخش دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف کر کے خوش ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بندہ بھی اپنے رب سے ڈرنے والا ہو۔ ایک اور حدیث میں جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تھا جس نے کبھی زندگی میں کوئی نیکی نہ کی تھی مرتے وقت اُس نے وصیت کی تھی کہ اسے جلا کر اُس کی راکھ آدھی خشکی پر بکھیر دینا اور آدھی دریا میں بہا دینا اُس کی وصیت پر عمل کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کے اجزاء کو جمع کر کے اُسے مکمل کرنے کے بعد اُس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا تھا اُس نے کہا کہ اے میرے رب تو خوب جانتا ہے میں نے زندگی بھر کوئی نیکی نہیں کی تھی اور مجھے ڈر تھا کہ میں تیرے سامنے کیسے کھڑا ہونگا۔

اللہ تعالیٰ نے اُسے معاف کر دیا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ جب بندہ اپنے خدا سے ڈر کر اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرتا ہے اللہ اُس کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور اُس کا تذکرہ آسمانی مخلوق میں کر کے خوش ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل میں نے کسی رسالہ میں ایک مضمون بعنوان (تحفہ) توبہ کے بارے میں پڑھا تھا جس کا متن قارئین کی دلچسپی کیلئے پیش کرتا ہوں۔

ایک رات جبرائیل علیہ السلام نے آسمانوں پر منادی کرائی کہ آج رات آسمان پر ایک بہت بڑا جشن ایک بہت بڑی محفل کا انعقاد ہو رہا ہے۔ جس میں اللہ عزوجل کوئی بہت بڑا حکم صادر فرمانے والے ہیں اِس جشن میں فرشتوں کے علاوہ دوسری آسمانی مخلوق جس میں روح اور عقل بھی شامل تھیں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرشتوں کی ڈیوٹیاں لگا دیں اور حکم دیا کہ ایک ایسا ہال تیار کیا جائے جو اللہ عزوجل کی شان کے شایان ہو۔ فرشتوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں ایک خوبصورت ہال جس کی چوبیں خالص سونے اور طنابیں چاندی کی تاروں، چھت مخمل اور کمخواب کے کپڑوں اور فرش موتی اور یاقوت کے پتھروں سے تیار کر کے جنت میں سے لائے ہوئے پردوں نور کے فانوسوں سے ہال کو سجایا گیا۔ جب ہال پوری طرح تیار ہو گیا تو فرشتے صفیں بنا کر دست بستہ کھڑے ہو کر سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کے ترانے گانے لگے روح اور عقل بھی اپنی اپنی نشستوں پر پہنچ گئیں۔ ہال میں جبرائیل علیہ السلام کی آواز گونجی کہ اللہ عزوجل تشریف لا رہے ہیں۔ فرشتوں پر لرزہ طاری ہو گیا نگاہیں خود بخود نیچے ہو گئیں اور زبان پر **سُبُوح قدوس رَبُّ الملائکة و رُوح** کی تسبیح جاری ہو گئی۔ اچانک ہال کے ایک طرف سے پردہ اُٹھا نور کے فوارے پھوٹنے لگے بھینی بھینی خوشبو نے پورے ہال کو معطر کر دیا اور اللہ عزوجل کرسی پر رونق افروز ہو گئے۔ فرشتوں نے ترانے بند کر دیئے ہال میں سناٹا چھا گیا اور اللہ عزوجل کے حکم کا انتظار ہونے لگا۔ اس سناٹے کو چیرتی ہوئی رعب و جلال سے بھری ہوئی ایک آواز بلند ہوئی لیکن اللہ عزوجل نے کسی فرشتے کسی روح کو مخاطب نہیں کیا بلکہ عقل کو حکم دیا کہ وہ قریب آئے۔ عقل ہاتھ باندھے نگاہیں نیچے کئے اللہ کے حضور حاضر ہو گئی

فرشتے حیران تھے کہ دیکھیں عقل کو کیا حکم ملنے والا ہے۔ اللہ عزوجل نے عقل کو حکم دیا کہ جاؤ زمین پر اور میرے لئے تحفہ لے کر آؤ۔ عقل نے اپنی تمام تر قوت کو یکجا کیا اور زمین کی طرف غوطہ لگا دیا۔ فرشتوں نے دوبارہ اللہ عزوجل کی عزت وجلال کے ترانے شروع کر دیئے اور عقل کی واپسی کا انتظار ہونے لگا۔ عقل زمین پر پہنچ کر اللہ عزوجل کے تحفہ کی تلاش میں کبھی ایک کونہ میں جاتی ہے تو کبھی دوسرے کونہ میں کبھی مشرق میں تو کبھی مغرب میں عقل حیران کہ وہ کونسا اور کیسا تحفہ لے کر جائے۔ عقل نے بڑے بڑے عابدوں کی عبادت زاہدوں کی ریاضت کو دیکھا لیکن اُسے وہ عبادتیں وہ ریاضتیں خلوص سے خالی نظر آئیں۔ بڑے بڑے حاجیوں کے حج نمازیوں کی نمازیں دیکھیں تو وہاں بھی دکھاوے کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ بڑے بڑے سخیوں کی سخاوت اور ذاکروں کے ذکر میں ریا کے سوا کچھ نہ ملا۔ بڑے بڑے عالموں حاکموں منصفوں کے اندر جھانکتی ہے تو اُدھر بھی تکبر وغرور کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ عقل نے پوری رات اسی تلاش میں گزار دی لیکن اُسے وہ تحفہ نہ ملا جس کی اُسے تلاش تھی وقت گزرتا جاتا عقل کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جاتا سوچ رہی تھی کہ رات گزرنے والی ہے وہ خالی ہاتھ کس طرح اللہ کے دربار میں پیش ہوگی اور کیا جواب دے گی عقل کی پریشانی بڑھنے لگی تو خالی واپسی کی تیاری کرنے لگی تو اچانک اُس کی نگاہ ایک خوبصورت جزیرہ پر رُک گئی عقل نے کہا چلو جاتے جاتے اس جزیرے کو بھی دیکھ لیں عقل نے جونہی جزیرے پر قدم رکھا تو اُس کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جو سر جھکائے خاموش بیٹھا ہے لیکن اس کے تن بدن سے نکلتی ہوئی بدبو اور تعفن نے سارے جزیرے کا ماحول خراب کر رکھا ہے عقل سمجھ گئی کہ یہ شخص کوئی بہت بڑا گنہگار، بدکار، سیاکار ظالم اور ڈاکو ہے جس کے گناہوں اور بدکاریوں کی بدبو اس کے بدن سے نکل کر چار سو پھیل رہی ہے اور اس کے گناہوں کی شہادت دیتی ہے عقل یہاں بھی مایوس ہوگئی اور پلٹ کر واپسی کا سوچنے لگی تو کیا دیکھتی ہے کہ وہ بدبو اُس شخص کے تن بدن سے نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی اچانک بھینی بھینی خوشبو میں بدلنے لگی۔ عقل ٹھہر گئی اُس کے قریب ہوئی تو کیا دیکھتی ہے کہ وہ شخص اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے کھڑا ہے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہے اور اپنے کردہ گناہوں پر نادم و شرمندہ ہو کر اپنے خدا سے معافیاں مانگ

رہا ہے ۔اُس کے بدن سے نکلتی ہوئی بدبو اب خوشبو میں تبدیل ہو چکی ہے جو سارے جزیرے کو معطر کرتی ہے لیکن وہ شخص اب بھی بے قراری کے عالم میں لرز رہا ہے کانپ رہا ہے عقل اُس کے اور قریب ہوتی تو کیا دیکھتی ہے اُس کے منہ سے ایک آہ نکلتی ہے اُس کی پیشانی پسینے میں شرابور ہو جاتی ہے آنکھوں سے چمکتے ہوئے دو موتی ڈھلک کر باہر نکلنے کو بے قرار ہیں ۔موقعے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عقل جلدی سے اپنا دامن پھیلا دیتی ہے اور اُن ڈھلکتے ہوئے موتیوں کو سمیٹ کر آسمانوں کی طرف پرواز کر جاتی ہے عقل خوش ہے کہ اُسے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں پیش کرنے کو تحفہ مل گیا۔جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

یہ ہے توبہ اور یہ ہیں ندامت کے قطرے ۔اللہ سب مسلمانوں کو گناہوں کے بعد ایسی ہی توبہ کرنے کی توفیق دے آمین ۔

اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں

امتیاز احمد (لندن)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ سورۃ النساء:32

ولا تتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنسآء نصیب مما اکتسبن وسئلوا اللّٰہ من فضلہ ان اللّٰہ کان بکل شیءٍ علیما(32)

(ترجمہ) اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اُسکی ہوس مت کرو۔ مردوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کئے اور عورتوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کئے۔ اور خدا سے اس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس آیت کی گہرائی میں جانا ہوگا۔ اس آیت کا شانِ نزول بھی بہت دلچسپ ہے۔

حضورﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمیٰؓ نے ایک بار اللہ کے رسولﷺ سے پوچھا کہ جس طرح عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں میراث آدھی ملتی ہے کیا اسی طرح نیک اعمال کی جزاء بھی عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں آدھی ملے گی؟ ان کی نیت ہرگز حضورﷺ سے شکایت کرنے کی نہیں تھی۔ بلکہ وہ یہ سوال پوچھ کر اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہتی تھیں۔ اسی طرح کچھ اور عورتوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش وہ بھی مرد ہوتیں تو جنگ میں حصہ لے کر اللہ کی مہربانی اور خوشنودی سے اور زیادہ فیض یاب ہوتیں۔

ان تمام سوالوں کے جواب اس آیت کریمہ میں دیدیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ام سلمیٰؓ اور تمام دوسری عورتوں اور مردوں سے یہ صاف صاف فرما دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش اور خواہش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر بعض لحاظ سے فوقیت عطا فرمائی ہے۔ آیئے ہم اس بات کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو پستہ قد بنایا ہے تو کسی کو دراز قد کسی کو معمولی شکل وصورت کا بنایا ہے تو کسی کو خوبصورت پیدا فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اور زیادہ حسین اور خوبرو بنا دیتا، تو وہ اپنی خوبصورتی اور دلکشی کی وجہ سے غلط راستے پر پڑ جاتا اور گناہوں کا مرتکب ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اسے

بہت ہی زیادہ حسین نہ بنا کر گناہوں سے بچالیا۔ اسی طرح کچھ لوگ حیثیت کے حساب سے غریب ہیں اور کسی کا رتبہ دنیاوی اعتبار سے کم۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم تھا کہ اگر وہ ان کو امیر کبیر یا زیادہ باحیثیت بنا دیتا تو یہ لوگ اپنی امارت اور مرتبہ کے ساتھ انصاف نہ کرسکتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مسجد کے لئے پورے شہر میں ایک خاص خطہ زمین کا انتخاب فرماتا ہے اور یہ مخصوص خطہ زمین شہر بھر کی تمام عمارتوں سے افضل و اعلیٰ بن جایا کرتی ہے اسی لئے ہم تعظیماً مسجد میں داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل نماز ادا کرتے ہیں۔ جو اس بات کا خاموش اعلان ہے کہ یہ مخصوص عمارت شہر بھر کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہے۔

ہم اکثر خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس گھر کے لئے ریگستان کے ویرانے میں ہی ایک مخصوص جگہ کیوں پسند فرمائی؟ جو دنیا کی تمام عبادت گاہوں اور مساجد میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہے۔ اس راز کو اللہ ہی جانتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور حکمت سے ایک چیز کو دوسری چیز پر سبقت یا فوقیت عطا فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ نے انبیاء علیہ السلام کو بھی بعض لحاظ سے ایک دوسرے پر برتری اور بڑائی عطا فرمائی ہے۔ (البقرہ 253)

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض

(ترجمہ) یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس تفصیل کیساتھ ہم پر یہ بات بالکل واضح ہو جانا چاہئے کہ اللہ نے ہمیں جو کچھ اور جتنا کچھ بھی عطا فرمایا ہے ہمیں اس پر قانع رہنا چاہئے۔ مثلاً اگر ایک عورت کو مرد کے کرنے کا کام دے دیا جائے تو وہ عورت اسے بخوبی ادا نہیں کرسکتی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ام سلمیٰؓ اور دوسری عورتوں پر یہ بات واضح کردی کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو آدھا انعام یا آدھی جزا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ مردوں اور عورتوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا یکساں عطا کی جائے گی۔ (سورۃ المومن:40)

ومن عمل صالحا من ذكر او انثى وهو مومن فاولئك يدخلون الجنة يرزقون فيها بغير حساب(40)

(ترجمہ) اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں انکو بے شمار رزق ملے گا۔

ایک بار حضرت ام عمارہ انصاریہؓ اور حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے بقول ترمذی کے رسولؐ سے

عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ زیادہ تر مردوں سے ہی بلاواسطہ خطاب فرماتا ہے۔ ہم اس بات سے فکرمند ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم عورتوں کے لئے بھی کوئی وعدہ فرمایا ہے یا نہیں؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سورۃ الاحزاب:35

ان المسلمین والمسلمت والمومنین والمومنت والقنتین والقنٰت والصدقین والصدقت والصبرین والصبرٰت والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقت والصٓئمین والصٓئمت والحفظین فروجھم والحفظت والذکرین اللہ کثیرا والذکرت اعدا اللہُ لھم مغفرۃً واجرً عظیمًاo

(ترجمہ) جو لوگ خدا کے آگے سر اطاعت خم کرنیوالے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنیوالی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے خدا نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

لہٰذا اسلام میں مردوں اور عورتوں کے حقوق اور جزا برابر برابر ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ بہت زیادہ امیر و کبیر ہیں، کسی اور کے پاس علم بہت زیادہ ہے اور کوئی ہے جو رُوحانیت میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ اسلام ہمیں مندرجہ بالا تینوں چیزوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی اجازت دیتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کیلئے اللہ سے دُعا کریں۔ اگر اس میں ہمارے لئے بھلائی کا کوئی پہلو ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہماری دُعا قبول فرما کر ہماری مُرادیں ضرور پوری کرے گا۔ کیونکہ وہی سب کچھ جانتا ہے۔ اور خوب حکمت والا ہے۔

آیئے اب ہم دیکھیں کہ اسلام میں مرد اور عورت کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ سورۃ النساء:34

الرجال قومون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھمo

(ترجمہ) مرد عورتوں کے انچارج ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرد عورتوں پر ظلم و جبر کرنے لگیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ سورۃالنساء19۔

وعاشروهن بالمعروف٥

(ترجمہ)اور انکے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔

کیونکہ مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں۔سورۃالبقرۃ:228

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف٥

(ترجمہ)اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔

بلکہ مردوں اور عورتوں کو گھریلو امور میں مشورہ کرنا چاہئے۔ سورۃالبقرۃ:223

عن تراض منهما و تشاور٥

(ترجمہ) دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضامندی اور مشورہ سے طے کرلیں۔

پس اسلامی معاشرے میں میاں بیوی کو ہر مسئلہ میں ایک دوسرے سے حسنِ اخلاق سے مشورہ کرنا چاہئے۔بالآخر حتمی فیصلہ مرد کو ہی کرنا ہوگا۔کیونکہ وہ انچارج ہے۔لیکن اگر کوئی فیصلہ غلط ہوگیا۔تو اس کی پوری ذمہ داری دنیا اور آخرت میں صرف مرد پر عائد ہوگی۔پس عورتوں کو کسی بھی حالت میں مرد بننے کی خواہش نہیں کرنا چاہئے۔اور نہ مردوں کو عورتیں،اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے مطابق مردوں کے فرائض مرد،اور عورتوں کے فرائض عورتیں ہی زیادہ بہتر طریقہ سے ادا کرسکتے ہیں۔

آیئے ہم دیکھیں کہ اسلام میں عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں میراث میں آدھے حقوق دینے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے،وراثت میں والدین یا اپنے شوہر کی طرف سے جو کچھ بھی حصہ عورت کو ملتا ہے،اس پر صرف عورت کا ہی حق ہوتا ہے،عورت جب تک بیٹی کی حیثیت سے ماں باپ کے گھر میں ہے،تو والدین اس کی ہر طرح کفالت کرتے ہیں۔شادی کے بعد شوہر اپنی بیوی کی صورت میں اس کی حفاظت اور پوری پوری کفالت کرتا ہے۔کیونکہ یہ شوہر کا فرض ہے،بیوہ ہونے کی صورت میں(چاہے عورت کی اولاد ہو یا نہ ہو)اگر ضرورت ہو،تو عورت اپنے ماں باپ کے گھر واپس جاسکتی ہے،عورت کی پوری زندگی میں کہیں نہ کہیں مرد کسی نہ کسی صورت میں اس کا مددگار اور حامی رہتا ہے،جب وراثت میں مرد کو عورت سے زیادہ حصہ ملتا ہے،تو مرد کا اس پر پورا حق نہیں ہوتا، بلکہ مرد کو عورت پر ہر معاملہ میں خرچ کرنا پڑتا ہے،اپنی اولاد اور خاندان کے

دوسرے افراد کا خرچ بھی مرد کو اُٹھانا ہوتا ہے، پس عورتیں مردوں سے زیادہ فائدے میں رہتی ہیں، کیونکہ انہیں اپنے آدھے حصہ کو کسی وقت کسی پر خرچ نہیں کرنا پڑتا کو وہ اپنی مرضی سے دوسروں پر خرچ کریں تو اس میں مذائقہ نہیں۔

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عربوں میں عورتوں کا کیا حال تھا۔ ذرا دیکھئے۔لڑکی پیدا ہوتے ہی عام طور پر زمین میں زندہ دفن کردی جاتی تھی۔بعض حالات میں محض تفریح کی خاطر عورت کے بال اونٹ کی دم سے باندھ کر اونٹ کو دوڑایا جاتا تھا، املاک و جائیداد پر عورتوں کا کوئی حق نہیں تھا، اسلام نے نہ صرف عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دلائے بلکہ انہیں وراثت میں حصہ دار بنایا۔اور املاک اور جائیداد رکھنے کی بھی اجازت اور سہولت فراہم کی۔آیئے ہم اسلام کے نکتہ نظر سے ایک متقی عورت کا کردار دیکھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سورۃ النساء :34

فالصلحت قنتت حفظت للغيب بما حفظ اللّٰہ o

(ترجمہ) تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے خدا کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، کہ سب سے اچھی بیوی وہ ہے، جسے دیکھتے ہی شوہر کا دل خوشی سے لبریز ہو جائے، جب شوہر اسے کوئی حکم دے، تو وہ فوراً پورا کرے، اور شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی اور اپنے مال و اسباب کی پوری پوری حفاظت و نگہداشت کرے۔

پس عورتوں کو چاہئے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے قانون کے تحت شوہر کے مال و دولت کی حفاظت کریں اس کے علاوہ بیویوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اسلامی طریقہ سے پروان چڑھائیں، یہ ذمہ داریاں یقیناً بہت دشوار ہیں، اللہ تعالیٰ اس آیت میں عورتوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے میں وہ ان کی مدد فرمائے گا۔ اگر ایک بیوی اپنے خاوند سے سرکشی کرنے لگے تو اسکی اصلاح کا طریقہ یہ ہے۔ سورۃ النساء : 34

والتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا ان الله كان عليًا كبيرا

(ترجمہ) اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی اور (بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) اُن کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر اُنکے ساتھ سونا ترک کردو، اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر اُن کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو، بیشک خدا سب سے اعلیٰ اور جلیل القدر ہے۔

پس اصلاح کے کئی مراحل ہیں۔سب سے پہلے علماء اورنفسیاتی ماہرین سے مدد حاصل کرنی چاہئے۔بدقسمتی سے پوری دنیا کے مسلمان زیادہ تر اپنے ذاتی معاملات کو پردوں میں چھپائے رکھتے ہیں،جس سے ان کونقصان ہوتا ہے۔رہی بات بیوی کواپنےبستر سے الگ کرنے کی،تو اس کا یہ مطلب ہرگزنہیں ہے کہ بیوی کوگھر سے نکال دیا جائے،بیوی کوبھی چاہئے کہ وہ اس طرح کے تنازعہ کی صورت میں شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے رشتے داروں کے گھر جا کر نہ رہنے لگے،چند علماء کرام کے مطابق دونوں شوہراور بیوی کوا لگ الگ کمروں میں بھی نہیں سونا چاہئے، بلکہ ایک ہی بستر پررات بسر کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہئے،جوایک بہت مشکل کام ہے،یہ صورت حال دونوں شوہراور بیوی کوقریب آکر اپنے اختلافات بھلاکر پھر ایک ہونے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے،پھر یہ کہ عورت کوراہِ راست پر لانے کے لئے مارنے کا جوحکم ہےتو وہ اس طرح نہیں ہے کہ شوہر بیوی کو زخمی کردے۔بلکہ اس طرح مارے کہ عورت کےجسم کے کسی بھی حصہ سے ذرا بھر چوٹ کا اظہار نہ ہو،حضورﷺ کا فرمان ہے:اچھےاورشریف آدمی اپنی بیوی پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے، ہم دیکھتے ہیں، کہ حضرت لوط علیہ السلام نے کبھی بھی اپنی بیوی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا،اللہ کے رسولﷺ نے یہ بھی ارشادفرمایا ہے کہ جولوگ اپنی بیویوں سے اچھاسلوک کریں گےوہ جنت میں مجھ سےزیادہ قریب ہوں گے۔

سورۃالنساء کی آیت نمبر 34 میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی ہے کہ اگر تمہاری بیویاں راہ راست پر آجائیں،تو انہیں گذرے ہوئے واقعات یاددلاکر شرمندہ نہ کرو،اور یادرکھو کہ اللہ بہت عظیم اور طاقتور ہے،اسی اللہ نے مردوں کوعورت کا حاکم بنایا ہے۔سورۃالنساء:35

وان خفتم شقاق بينهما فابعثواحكما من اهله وحكما من اهلهآ ان يريدآ اصلحا يوفق الله بينهمآ ان الله كان عليماً خبيرا(35)

(ترجمہ)اوراگرتم کومعلوم ہوکہ میاں بیوی میں اَن بَن ہےتو ایک منصف مرد کےخاندان میں سےاورایک منصف عورت کے خاندان میں سےمقررکرو،اگر وہ دونوں صلح کرادینی چاہئینگےتو خدااُن میں موافقت پیدا کردےگا،کچھ شک نہیں کہ خداسب کچھ جانتااورسب باتوں سےخبردار ہے۔اگر میاں بیوی کا باہمی اختلاف کسی طرح دُور نہ ہوتا ہو،تو انہیں چاہئے کہ درمیان میں

ثالث مقرر کرلیں، اگر دونوں (یہاں ''دونوں'' سے مراد دونوں میاں بیوی اور دونوں ثالث) سچے دل اور صاف نیت سے مصالحت کے خواہش مند ہوں تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرمارہے ہیں کہ وہ ان میں موافقت پیدا کردیں گے۔

بعض صحابہ کرامؓ کا خیال تھا کہ اسلام نے عورتوں کوضرورت سے زیادہ ہی حقوق دیئے ہیں، تا کہ ان کی معاشرے میں عزت افزائی ہو۔ بعد ازاں ان کے بعض حقوق سلب کر لئے جائیں گے۔ اس لئے یہ لوگ اس بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے باربار سوالات کیا کرتے تھے۔ سورۃ النساء: 127

و یستفتونك فی النسآء قل اللّٰه یفتیکم فیهن وما یتلٰی علیکم فی الکتب فی یتمی النسآء التی لا توتو نهن ما کتب لهن وترغبون ان تنکحو هن والمستضعفین من الولدان وان تقوموا للیتمٰی بالقسط و ما تفعلو من خیر فان اللّٰه کان به علیما
(127)

(ترجمہ) (اے پیغمبر) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہہ دو کہ خدا تم کو اُن کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے اور جو حکم اس کتاب میں پہلے دیا گیا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جن کو تم اُن کا حق تو دیتے نہیں اور خواہش رکھتے ہو کہ اُن کے ساتھ نکاح کرلو اور (نیز) بیچارے بیکس بچوں کے بارے میں، اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو، اور جو بھلائی تم کرو گے خدا اُس کو جانتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ عورتوں کے برابر کے حقوق اور معاشرے میں اعلیٰ مقام ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گے!

میں دعا گو ہوں، کہ ہم اسلامی معاشرے میں عورتوں کے تمام حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں (آمین)

جنیدؒ کی تعلیمات

(پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ)

تمہید

صوفیانہ زندگی کا نقطہ آغاز یہ ہے کہ جو شخص حقیقی معنی میں کسی ایسے مذہب کا پیرو ہے جس میں خدا کو معبود، مطلوب اور مقصود قرار دیا گیا ہے، وہ لازماً یہ محسوس کرتا ہے کہ مجھ میں اور میرے خدا میں دوری ہے۔ چونکہ مطلوب کا قرب یا اس کی معیت کا حصول ہر طالب کا مطمع نظر ہوتا ہے اس لئے وہ قرب یا معیت کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ جس طریقے یا ذریعے سے وہ اپنے مطلوب کا قرب حاصل کرتا ہے اسے اصطلاح میں تصوف کہتے ہیں۔

جنیدؒ نے تصوف کی بہت سی تعریفات بیان کی ہیں، ان میں سے دو تعریفیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(الف) تصوف یہ ہے کہ صوفی اس طرح خدا کی معیت میں زندگی بسر کرے کہ غیر اللہ سے، اسے کوئی دل بستگی باقی نہ رہے۔

(ب) تصوف وہ کوشش یا در طلب کوشیدن ہے جس میں ایک انسان اپنی پوری زندگی بسر کر دیتا ہے (یہاں کوشش سے مراد وہی حصول قرب یا معیت کی کوشش ہے)

جنیدؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کوشش خدا کی صفت ہے یا بندے کی؟ انہوں نے جواب دیا ''درحقیقت تو یہ خدا کی صفت ہے لیکن بظاہر یا صورۃً بندے کی صفت ہے''۔

پہلی تعریف کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ غیر اللہ سے کلیۃً قطع نظر کر لے گا تو دوری کا ازالہ ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ قرآن حکیم نے اسی حالت کو تبتل سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو صوفیہ اس جملے سے ادا کرتے ہیں ''سب سے توڑ، خدا سے جوڑ''۔

دوسری تعریف کا مطلب یہ ہے کہ جب دوری کا احساس مٹ جاتا ہے اور قرب حاصل ہو جاتا ہے تو صوفی پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ میری صفات دراصل خدا ہی کی صفات ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی صفات فنا ہو جاتی ہیں ۔ہجویریؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ''حقیقی توحید میں انسانی صفات باقی ہی نہیں رہتیں، کیونکہ انسانی صفات قائم بالذات اور مستقل نہیں ہیں، محض رسوم ہیں سراسر غیر مستقل اور عارضی جیسے آئینے میں عکس ۔ فاعل حقیقی صرف خدا ہے،اس لیے وہ دراصل صفات باری ہیں۔''

جنیدؒ نے رسالہ نمبر 10 میں اس حالت کی تشریح یوں کی ہے ''اس صفاء مطلق کی حالت میں صوفی کی ذاتی صفات زائل ہو جاتی ہیں اور اس ازالے کے بعد اسے حضور کامل نصیب ہو جاتا ہے اور اس حضوری کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے غائب ہو جاتا ہے تو بیک وقت وہ حاضر بھی ہوتا ہے اور غائب بھی ہوتا ہے''۔

جو حالت اس مکتوب میں بیان کی گئی ہے اسی کا دوسرا نام توحید ہے ۔جب تک ایک شخص اپنے آپ کو توحید میں اس طرح فنا نہ کردے کہ اس کی نگاہ میں غیر کا وجود باقی نہ رہے، وہ موحد نہیں بن سکتا۔

یہ توحید ذات باری ہی جنیدؒ کے مشاہدے اور تعلیم کا مرکزی یا بنیادی تصور ہے۔جنیدؒ نے اسی مکتوب میں اس مرکزی تعلیم کی مزید توضیح کی ہے ۔چنانچہ لکھتے ہیں ''اپنے آپ سے غائب ہو جانے کے بعد وہ پھر اس حالت میں واپس آجاتا ہے جس میں وہ (قبل تخلیق) تھا۔اب وہ اپنے کو موجود پاتا ہے یعنی غیبت کے بعد اسے اپنا حضور حاصل ہو جاتا ہے ۔قبل ازیں وہ خدا میں حاضر تھا، اپنے آپ میں غائب تھا۔اب وہ خدا کے سامنے بھی حاضر ہے اور اپنے سامنے بھی ۔ کیونکہ اب وہ غلبہ ذات کے سکر کی حالت سے باہر نکل آیا اور صحو کی حالت میں آگیا۔اب اس میں تفکر کی صفت پیدا ہوگئی جس کی بدولت وہ ہر شے کو اس کا صحیح مقام دے سکتا ہے''۔

اس طرح جنیدؒ نے توحید کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن اور سنت کو بھی پیش نظر رکھا اور تمسک بالقرآن کی بدولت وہ ان لغزشوں بلکہ گمراہیوں سے محفوظ رہے جن میں بعض وہ صوفی گرفتار ہو گئے جنھوں نے صرف حالت سکر کو کافی سمجھ لیا۔

القصہ،عقیدہ توحید اور عقیدہ صحو، یہ دو عقیدے، جنیدؒ کے سارے نظام تصوف کے لیے بمنزلہ

سنگ بنیاد ہیں۔ آئندہ اوراق میں انہی دونوں عقیدوں کی شرح پیش کی جائے گی۔

عقیدہ توحید

جنیدؒ کی زندگی (تیسری صدی) میں مسئلہ توحید تمام مذہبی مدارس فکر کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ خصوصاً معتزلہ کو اس میں اس قدر شغف تھا کہ لوگ انہیں "اصحاب التوحید" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ یہ لوگ اس مسئلے میں عقل کی روشنی میں غور وفکر کرتے تھے۔ ان کے برعکس صوفیہ چونکہ عقل کی نارسائی اور تنگ مائگی سے آگاہ تھے اس لیے وہ اس مسئلے کو وحی والہام کی مدد سے حل کرتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری کا ایک صوفی ابن الکاتبؒ کہتا ہے "معتزلہ نے عقل کو رہنما بنا کر گمراہی کا راستہ اختیار کرلیا لیکن صوفیہ دل کی ہدایت پر عمل کر کے منزل مقصود تک پہنچ گئے"۔

بہر کیف تقاضائے عصر خویش کی بنا پر جنیدؒ نے بھی اس اہم مسئلے پر غور وفکر کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ توحید باری کی منطقی تعریف نہیں ہوسکتی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "توحید کے بارے میں بہترین قول حضرت صدیق اکبرؓ کا ہے جو فرماتے ہیں کہ لائق حمد ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں پر اپنی ذات وصفات کے علم کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کھولا کہ وہ اس باب میں اپنے عجز فہم کا اعتراف کریں"۔ **(العجز عن الا دراك ادراك)**

اس سے معلوم ہوا کہ جنیدؒ کا نظریہ یہ ہے کہ توحید کا علم، ہر حد ادراک سے باہر ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "توحید وہ حقیقت ہے جس میں تمام آثار و علائم محو ہوجاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ "**الآن کما کان**" باقی رہ جاتا ہے"۔ (خدا آج بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ تھا)۔

ایک دفعہ لوگوں نے ان سے توحید کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا "توحید وہ معنی ہے جس کی تعریف نہیں ہوسکتی حالانکہ توحید کے معنی میں مکمل علم پوشیدہ ہے حقیقت حال یہ ہے کہ تمام صوفیہ اس بات کے معترف ہیں کہ توحید کے معنی اور مفہوم کو لفظوں کے ذریعے سے بیان نہیں کرسکتے چنانچہ علامہ ابن خلدون بھی یہی کہتے ہیں "دشواری کا مبنیٰ یہ ہے کہ کسی زبان میں ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں جو توحید کے مفہوم کو واضح کرسکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی زبان، حقائق مجردہ کا بیان کماحقہٗ نہیں کرسکتی"۔

صوفیانہ زاویہ نگاہ سے توحید کی تعریف اس درجہ مشکل ہے کہ کوئی صوفی اس سے کماحقہٗ عہدہ

برآ نہیں ہوسکا۔مثلاً جب ذوالنون مصری سے لوگوں نے توحید کا معنی دریافت کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا" توحید یہ ہے کہ تمہیں اس بات کا علم ہوجائے کہ جب خدا کسی شیء کو موجود کرنا چاہتا ہے تو اسے کسی طبعی سبب کی حاجت نہیں ہوتی (اس کا ارادہ ہی شیء کو موجود کردیتا ہے) نیز یہ کہ اس کا فعل تخلیق برابر جاری ہے(**کل یوم ھو فی شان**) اور ہر شیء کی علت، اس کا یہی فعلی تخلیق ہے اور اس کی کوئی علت نہیں ہے (ورنہ تسلسل لازم آئے گا) نیز یہ کہ تم جس شیء کا تصور کرو یا کرسکتے ہو، خدا اُس سے مختلف ہے"۔ناظرین غور کریں کہ یہ بعینہ وہی تعریف ہے جو متکلمین اسلام نے عقائد کی کتابوں میں درج کی ہے (دیکھو شرح عقائد نسفی وجلالی وشرح مقاصد) اس تعریف میں تصوف کا مخصوص رنگ کہیں نظر نہیں آتا۔

جنیدؒ نے توحید کی تعریف میں بلاشبہ یہ کوشش کی ہے کہ تصوف کا رنگ بھی نظر آئے چنانچہ انہوں نے توحید کی تعریف یوں کی ہے کہ"**التوحید افراد القدیم عن المحدث**"یعنی توحید یہ ہے کہ قدیم (واجب الوجود ہستی) کو محدث (ممکن الوجود ہستی) سے جدا کردیا جائے۔اس بلیغ جملے کا ایک مطلب یہ ہے:

(1) اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی کو ذوات حادثہ (اشیائے مخلوق) سے متمیز کیا جائے۔صرف ذات ازلی کو مقصود بنایا جائے اور ماسوئ اللہ سے قطع نظر کرلی جائے بلکہ اس کا ابطال کیا جائے۔

(2) اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی کو اشیائے کائنات کی صفات سے متمیز کیا جائے۔صرف صفات کو مطمع نظر بنایا جائے اور مخلوقات کی صفات عارضی کا ابطال کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ درحقیقت اللہ کی ذات وصفات کے علاوہ کوئی شیء موجود نہیں ہے۔جو کچھ نظر آتا ہے یہ سب عارضی ہے، ہالک ہے، فانی ہے، بے ثبات ہے اس لیے ناقابل التفات ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے افعال کو اشیائے کائنات کے افعال سے متمیز کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ صرف وہی فاعل حقیقی ہے اس کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل حقیقی نہیں ہے۔انسان کے افعال اللہ کی مشیئت کے محتاج ہیں۔اللہ اگر بندوں کو فعل کی قدرت، طاقت اور قوت عطا نہ کرے تو کوئی شخص کوئی فعل یا حرکت نہیں کرسکتا۔

جنیدؒ نے اس امر کی صراحت بھی کی ہے کہ اللہ کی صفات اور اس کے افعال سب اس کی

ذات میں مندرج ہیں، یعنی اس طرح داخل ذات ہیں کہ ان میں کوئی امتیاز نہیں ہے اور جب سالک توحید کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ صفات اور افعال سب ذات میں مندرج ہیں اور اس وقت وہ خود بھی بالکلیہ ذات میں جذب ہوجاتا ہے "من تو شدم تو من شدی" والا معاملہ ہوجاتا ہے۔

جنیدؒ کی پیش کردہ یہ تعریف صوفیائے آئندہ کے لیے مشعل راہ بن گئی۔ سب نے اس کو اختیار کرلیا اور سب نے اپنے اپنے مذاق طبع کے مطابق اس کی تشریح کی مثلاً ابونصر سراجؒ نے تفصیلی کلام کے بعد لکھا ہے کہ "توحید باری تعالیٰ کا نہ بیان ہوسکتا ہے اور نہ اس کی تعریف ہوسکتی ہے" اور اپنی تائید میں جنیدؒ کا مقولہ پیش کیا ہے۔

ہجویریؒ نے یہ لکھا ہے "واضح ہو کہ خدا ازلی ہے اور تم سب فانی اور عارضی مظاہر ہو۔ تمہاری ذات کو خدا کی ذات سے کوئی نسبت یا علاقہ نہیں ہے اور نہ تمہاری صفات اور اس کی صفات میں کوئی مشارکت یا مماثلت ہے اور نہ قدیم اور حادث (واجب اور ممکن) میں کوئی یگانگت یا علاقہ ہے۔"

امام قشیریؒ نے بھی جنیدؒ کے قول کی تصویب و تصدیق کی ہے۔ تھانویؒ نے بھی توحید کی تشریح میں جنیدؒ ہی کی پیش کردہ تعریف کو اختیار کیا ہے کہ "**التوحید افراد القدیم عن المحدث**"۔ حد ہے کہ ابن تیمیہؒ نے بھی جو نہایت راسخ العقیدہ سنی ہیں اور عجمی یا ایرانی تصوف کے شدید مخالف ہیں، جنیدؒ کی اس تعریف کو پسند کیا ہے اور لکھا ہے کہ "اگر صوفیہ، جنیدؒ کی اس تعریف کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ قدیم اور حادث میں ایسا فرق ہے جو کبھی زائل نہیں ہوسکتا (مطلب یہ ہے کہ قدیم کبھی حادث نہیں بن سکتا اور حادث کبھی قدیم نہیں بن سکتا) تو وہ اُس گمراہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں جس میں بعض صوفیہ گرفتار ہوگئے۔"

جنیدؒ نے اپنے اکثر رسائل میں توحید کے مفہوم کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً رسالہ نمبر 16 میں وہ لکھتے ہیں "جان لو کہ توحید، بنی آدم میں، چار مراتب میں پائی جاتی ہے۔ مرتبہ اول: عوام الناس کی توحید۔ مرتبہ دوم: علماء کی توحید۔ مراتب سوم و چہارم: عرفاء کی توحید (یا یوں کہہ لو کہ صوفیہ اور اخص الخواص کی توحید)۔

اگرچہ متکلمین توحید کے ان مراتب کو تسلیم نہیں کرتے مگر امام غزالیؒ نے اس نظریے کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ ہر شخص کی اخلاقی اور نفسیاتی حالت دوسروں سے مختلف ہوتی ہے اس لیے مراتب کا وجود قرین عقل ہے۔

جنیدؒ نے خود بھی اس نظریے کو نفسیاتی اور اخلاقی زاویہ ہائے نگاہ کی روشنی میں حل کیا ہے۔ ان کا حل فلسفیانہ استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ انسانوں کی باطنی اور نفسیاتی حالت سے گہری واقفیت اور فطرت انسانی کے عمیق مطالعے پر مبنی ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں کی فکری تاریخ میں جنیدؒ سے پہلے کسی کی اس نکتے تک رسائی نہیں ہوسکی۔ اسی بناء پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ جنیدؒ ایک عارف ہی نہیں تھے، حکیم (فلسفی) بھی تھے اور اُن کے محدث، فقیہہ اور مفسر ہونے کا اعتراف تو سبھی نے کیا ہے لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ باعتبار علم ظاہری و باطنی تمام متقدمین کے سرتاج ہیں۔

جنیدؒ نے اپنے مختلف رسائل میں توحید کے ان مراتب اربعہ کی جو شرح کی ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(1) توحید عوام: "عوام کی توحید یہ ہے کہ وہ اللہ کو ایک جانتے ہیں، اس کے سوا کسی کو خدا نہیں مانتے، کسی کو اس کا شریک، سہیم، ہمسر، مد مقابل یا مثیل نہیں قرار دیتے مگر خدا کے علاوہ دوسروں سے امیدیں بھی رکھتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا عقیدہ توحید ناقص ہے۔ اگر کامل ہوتا تو وہ نہ غیر اللہ سے خوف کھاتے نہ امیدیں وابستہ کرتے۔ توحید کاملہ کی بدولت غیر اللہ کا تصور اسی طرح دل سے محو (غائب) ہو جاتا ہے جس طرح طلوع آفتاب سے ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔

(2) توحید علماء: جو لوگ دینی علوم میں رسوخ رکھتے ہیں وہ تصور عوام کے علاوہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کائنات میں کوئی ہستی ایسی نہیں جو کسی دوسرے کو نفع یا نقصان پہنچا سکے، اس لیے وہ نہ کسی سے ڈرتے ہیں نہ امید رکھتے ہیں۔

(3) توحید عرفاء طبقۂ خواص: ان حضرات کی توحید یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا طبقوں کے عقائد کے علاوہ جو احکام شریعت بجا لاتے ہیں ان کی بجا آوری کے وقت ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم اس کے سامنے حاضر ہیں (حضوری کا احساس ہوتا ہے)، خدا ہمیں حکم

دے رہا ہے اور ہم اس کی تعمیل کر رہے ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ اس مرتبے میں سالک کو اپنی شخصیت اور انفرادیت کا احساس باقی رہتا ہے۔ اسے ابھی تک غیر اللہ کا شعور حاصل ہے خواہ وہ غیر اللہ اس کی اپنی ہی ذات کیوں نہ ہو۔

(4) توحید عرفاء طبقۂ اخص الخواص: توحید کی اس نوع اعلیٰ میں سالک اپنی شخصیت کو خدا میں محو کر دیتا ہے اور بحرِ وحدت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں سالک کامل طور پر وحدت ذات کا تحقق حاصل کر لیتا ہے اور حقیقی معنی میں قرب واتصال کی لذت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مرتبے میں سالک اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خود ہی مجسم مشیّت ایزدی بن جاتا ہے۔ اس کی ذاتی مرضی یا چاہت یا ارادہ باقی نہیں رہتا، صرف اللہ کا ارادہ باقی رہ جاتا ہے۔

شیخ ہجویریؒ نے اس مقام کی شرح یوں کی ہے "اس مقام میں موحد اپنی شخصیت اور ارادے کو بالکل محو کر دیتا ہے۔ پس وہ اُس ذرے کی مانند ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ قبل تخلیق، میثاق توحید کے وقت تھا جب اُس نے "**الست بربکم**" کے جواب میں "بلٰی" کہا تھا۔ نیز اس توحید کا مطلب یہ ہے کہ اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے سامنے سالک کی شخصیت بالکلیہ فنا ہو جاتی ہے اور اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بمنزلہ آلہ بن جاتا ہے، ایک ایسی شے جس کا اپنا ارادہ کچھ نہیں۔ فاعل اُس سے جو چاہے کام لے، اور اس کا جسم ظاہری دراصل اسرار خداوندی کا خزانہ بن جاتا ہے اور اس کے الفاظ اور افعال خدا ہی سے منسوب ہوتے ہیں۔"

توحید کا یہ چوتھا یا اعلیٰ مرتبہ جیسا کہ جنیدؒ خود کہتے ہیں ان کے نظامِ فکر کے دو نظریوں پر مبنی ہے:

(1) نظریہ میثاق: اس کا مطلب ہے وہ علاقہ یا رابطہ جو خدائے خالق اور بندہ مخلوق کے درمیان ہے اور خدا کے حضور میں بندے کا تحقق مقام خویش (اپنے مقام کا تحقق)۔

(2) نظریہ فناء: اس کا مطلب ہے بندے کا اپنی مرضی کو خدا کی مرضی میں بالکلیہ ضم یا فنا کر کے اور اس کی حضوری محضہ میں حاضر رہ کر اللہ کی توحید کا تحقق۔ (جاری)

توحیدیہ ویب سائٹ ایک جائزہ

(عاصم ندیم)

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد اس نہج پر رکھی کہ آج کے مصروف انسان کیلئے روحانی تعلیم حاصل کرنا چنداں مشکل نہ رہا۔

آپ نے عبادات، مجاہدہ، تفکر اور اذکار کو ایسی تسبیح میں پرو دیا ہے جس کو جپنے سے انسان دنیاو مافیہا سے بیگانہ ہوتا ہے اور نہ ہی زمانے کے پیچ وخم میں اُلجھتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی آپ کی تحریر کردہ کتب سونے پہ سہاگہ ہیں جن میں آپ نے روحانیت کے اسرار و رموز، بنیادی اسلامی عقائد اور روزمرہ کے معاملات کو بہت آسان فہم زبان میں بیان کیا ہے۔

آپ کا انداز تحریر اتنا سادہ اور پُرمغز ہے کہ قاری کے ذہن کی گتھیاں خودبخود سلجھتی جاتی ہیں۔ آپ نے ہر اس بنیادی اور پیچیدہ مسئلے کی تشریح بیان فرمادی ہے جو ایک عام مسلمان کے دل میں کھٹکتا ہے۔ الفاظ میں ایسی شائستگی اور روانی ہے کہ قاری ہر بات کا آسانی سے احاطہ کر لیتا ہے۔

آج دنیا گلوبل ویلیج بن چکی ہے۔ معلومات اور تعلیم کے ذرائع اتنے تیز ہو گئے ہیں کہ ایک قاری گھر بیٹھے جو چاہے پلک جھپکنے میں حاصل کر سکتا ہے۔ معلومات کے تبادلے کی یہ جادوگری انٹرنیٹ کہلاتی ہے، جس نے دنیا کے ہر خطے کو ایک دوسرے کا ہمسایہ بنا دیا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بھی یہ بات کافی عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی کہ ہماری اپنی ویب سائیٹ ہونی چاہیے۔ جو خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیمات کو دوسرے ملکوں کے لوگوں کو پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

اس مقصد کے پیش نظر پچھلے سال سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ویب سائیٹ لانچ کی گئی۔ اس ویب سائیٹ کے لانچ کرنے کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد تھے۔

۱۔ صحیح توحیدی اسلوب میں اسلام کی تشریح کی جائے۔

۲۔ صوفی ازم کی تشریح و تبلیغ کی جائے۔

۳۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے بتائے ہوئے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے روحانیت کی تعلیم دی جائے۔

۴۔ مسلمانوں میں بلاتفریق محبت کا جذبہ پروان چڑھایا جائے۔

اگر چہ ہماری ویب سائیٹ ابتدائی مراحل میں ہے۔پھر بھی اندرون وبیرون ملک اسے بے حد پذیرائی ملی ہے۔جن مما لک میں ہماری ویب سائیٹ بہت زیادہ دیکھی جارہی ہے ان میں امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، فرانس، سویڈن، سعودی عرب، ملائیشیا، کوریا، آئرلینڈ، انڈیا اور پاکستان شامل ہیں۔

توحیدیہ ویب سائیٹ میں مندرجہ ذیل عنوانات کو شامل کیا گیا ہے۔

۱۔دین اسلام ۲۔صوفی ازم ۳۔روحانیت ۴۔اسلام میں عورت کا مقام

۵۔ہماری روح ۶۔متفرق مضامین

ان عنوانات کو مزید عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ مذہب اسلام: خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی کتاب میں اسلام کے بنیادی عقائد کی تشریح وتفصیل اور ایک انسان ان کو کس طرح اپنی زندگی پر لاگو کرسکتا ہے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ہم نے انہیں الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا ہے تا کہ ایک قاری آسانی سے اپنا مطلوبہ مضمون پڑھ سکے۔مزید عنوانات یہ ہیں ایمانیات، اخلاقیات، عبادات۔

۲۔صوفی ازم: اسلام میں صوفی ازم کی حیثیت ہمیشہ سے موضوع بحث رہی ہے۔خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے بڑے مدلل انداز میں اسلامی حوالے سے اس کی تاریخ وتوضیح پیش کی ہے۔سائیٹ میں صوفی ازم کا تعارف، اسلام اور صوفی ازم اور تاریخ صوفی ازم کے مضمون پیش کیے گئے ہیں۔

۳۔روحانیت: روحانی تعلیم حاصل کرنے کے دوران ایک سالک کن کن مشاہدات سے گزرتا ہے اور اس کو کیا کیفیات پیش آتی ہیں۔ان تمام کیفیات اور مشاہدات کو روحانی سفر کا نام دیا گیا ہے اور اسے چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ان تمام ادوار کی علیحدہ علیحدہ تفصیل درج کی گئی ہے۔

۴۔اسلام میں عورت کا مقام: ابتدائے آفرینش سے ہی انسان عورت کی سماجی حیثیت اور مقام کے بارے میں مخمصے کا شکار رہا ہے۔ہر دور کے انسان نے اسے ہمیشہ تنگ نظری اور تعصب کی آنکھ سے دیکھا اور اسے ذاتی جاگیر سمجھا۔اسلام نے عورت کو نہ صرف اس تعصب سے نکالا بلکہ اسے اس کے اصل حقوق دیے۔اسلام اور عورت عنوان کے تحت عورت کے حقوق کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔اس کے مزید عنوانات درج ذیل ہیں۔اسلام میں عورت کا درجہ، پردہ، شادی۔

۵۔ہماری روح: روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح زمین پر کیسے آتی ہے؟ روح کے خواص کیا ہیں؟ روح کا سفر آخرت کیسے ہوتا ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب ''ہماری روح'' میں تحریر کیا

گیا ہے۔

۶۔**متفرق مضامین:** جیسا کے نام سے ظاہر ہے۔اس عنوان میں مختلف مضامین شامل کیے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے اذکار کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

ویب سائیٹ میں شامل تمام مواد دو زبانوں اردو اور انگریزی میں پیش کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ ایک خاص سافٹ ویئر بھی لگا دیا گیا ہے جس کے تحت ہماری سائیٹ کو دنیا کی آٹھ زبانوں میں ترجمہ کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔

ہماری ویب سائیٹ کی ایک خاص بات ویب فورم ہے۔جس میں کوئی بھی قاری وہاں رجسٹرڈ ہو سکتا ہے اور اسلام کے متعلق کوئی سوال پوچھ سکتا ہے یا اپنا مضمون شامل کر سکتا ہے۔اس فورم کے تحت تمام یوزرز آپس میں تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔

فورم کے قیام کا مقصد اپنے قارئین کو ان کی آرا سمیت اپنی سائیٹ میں شامل کرنا ہے اور بحث کے ذریعے کسی خاص مسئلے کو اس کے صحیح تناظر میں جاننا اور سمجھنا ہے۔

یاد رہے کہ اس ویب سائیٹ کا تمام مواد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی کتب سے لیا گیا ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے ماہانہ رسالے کو بھی ویب سائیٹ میں جگہ دی گئی ہے تا کہ بیرون ملک توحیدی بھائی بھی ان رسائل کا مطالعہ کر سکیں۔

توحیدیہ ویب سائیٹ ہماری اپنی ویب سائیٹ ہے۔اس میں مزید خوبصورتی آپ کی شمولیت ہی سے آسکتی ہے۔براہ کرم اس سائیٹ کے متعلق اپنی آرا سے آگاہ کرتے رہیے تا کہ اسے مزید کارآمد بنایا جا سکے۔اور اس سے دعوت وتبلیغ کا اصل مقصد حاصل کیا جا سکے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے مندرجہ ذیل ارکان کے رشتہ دار وفات پا گئے ہیں۔تمام برادران سے التماس ہے کہ ان کیلئے مغفرت کی دُعا کی جائے۔

(1) گوجرانوالہ کے بھائی محمد انور مغل کے بڑے بھائی۔

(2) فتح پور لیہ کے خادم حلقہ میں محمد ندیم کے والد ماجد۔

(3) گوجرانوالہ کے بھائی شاہد بٹ کی والدہ ماجدہ۔

تعلق باللہ

(عبدالرشید ساہی سوہاوی)

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں اس کے غلام داراو جم

انسان اپنے رازق کو نہ پہچانتا ہوتو وہ دردر کی غلامی کرتا پھرتا ہےاور ہر کس وناکس کے سامنے دست سوال پھیلا دیتا ہےلیکن جوانسان یہ پہچان جائے کہ میرا رازق اللہ ہے، میرا معبود اللہ ہے، میرا مطلوب اللہ ہے میرا مقصود اللہ ہےاوراللہ ہی تمام کائناتوں کا مالک و خالق ہےتو ایسا انسان بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو جاتا ہےاورذات باری کی صفات کامظہر بن جاتا ہےحدیث قدسی ہے نبی مکرم ومحترمؐ نے فرمایا کہ ”مومن جب اللہ کا مقرب بن جاتا ہےتو پھر اللہ اس کے ہاتھ بن جاتا ہے کان بن جاتا ہےاورپھر مومن اللہ کی بصیرت سے دیکھتا ہے“علامہ اقبال نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کرے غافل کے معمار جہاں تو ہے

علامہ اقبال نےخصوصی طور پر مسلمانوں کوخواب غفلت سے جگانے کے لئے بڑی جدوجہد کی ہےان کی بڑی خواہش یہی رہی ہے کہ مسلمان اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرلیں ان کے نزدیک تمام روئے زمین پر حکمرانی کا حق صرف اورصرف مسلمانوں کوحاصل ہےلیکن کیا کریں مسلماں تو ڈھونڈنے سےنہیں ملتا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطاراندرقطاراب بھی

اللہ تعالیٰ نےقرآن حکیم میں واضح فرمایا ہے کہ ”ساری کی ساری عزت اللہ کے لئے اللہ کے رسول کے لئے اورمومنین کے لئے ہے“۔

لیکن کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہےاللہ تعالیٰ کی طرف سےعزت ان لوگوں کونصیب ہوتی ہے جواپنی زندگیاں اللہ اوررسولؐ اللہ کےفرمودات کے مطابق بسر کرتے ہیں لیکن کیا کریں

آج تو پوری کی پوری دنیائے اسلام فرنگیانہ تہذیب کی تقلید میں اندھی ہو رہی ہے اور اس کے خوفناک ترین انجام سے بے خبر اس تہذیب کو اپنانے میں مشغول ہیں حالانکہ مرد قلندر اقبال نے بہت پہلے اس کی نشاندہی فرما دی تھی۔

برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے
فرنگ دل کی خرابی فرد کی معموری
نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہوتو کیا حاجت گلگو نہ فروش

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نبیؐ رحمت کا اُمتی بنا کر بہت بڑا احسان فرمایا پھر اس کو قرآن مجید کی صورت میں اعلیٰ ترین آئین عطا فرمایا اور حدیث شریف کی شکل میں مسلمانوں کو حکیمانہ قانون فراہم کیا لیکن مسلمان قوم کی بدبختی کی انتہا یہ ہے کہ یہ اصل کو چھوڑ کر نقل کی پیروی کر رہے ہیں۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شائد کے اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اللہ کے قرب میں جانے والے انسان امر ہو جاتے ہیں سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے زندہ جاوید ہونے کی گواہی فراہم کر دی ہے کہ ہر نمازی ہر نماز میں بار بار اس بات کی تکرار کرتا ہے کہ اللہ مجھے اپنے انعام یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر چلا یہ بات عام لوگوں کی نہیں بلکہ یہ خاصوں کی بات ہے یہ ان لوگوں کی بات ہے جنہوں نے کہا القرآن ''ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ڈٹ گئے'' پھر ان کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے بھیجے جاتے ہیں اللہ کی قوتیں ہر آن کی حفاظت کرتی ہیں اللہ فرماتے ہیں وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا غار ثور میں حضرت ابوبکرؓ نے نبی رحمتؐ سے فرمایا آقاؐ دشمن سر پر آ پہنچا اب کیا ہوگا آپؐ نے فرمایا ابوبکر غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے جب اللہ ساتھ ہو جاتا ہے تو غم دور ہو جاتے ہیں فکر ختم ہو جاتے ہیں قبلہ مرشد سرکار نے فرمایا فقر اور فکر کا آپس میں بیر ہوتا ہے فقیر کو فکر نہیں ہوتا اور جس کو فکر لاحق ہوں وہ فقیر نہیں ہوتا۔

جس کو فکر نہ ہو اس کی خودی بیدار ہو جاتی ہے اور روح زندہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یہ

کو نگے ہیں بہرے ہیں اندھے ہیں راہ راست پر نہیں آسکتے''

تیرا تن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا؟ آہ تیری نارسا ہے
تن بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

بے عملی قوموں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے جیسا کہ امت مسلمہ کے ساتھ ہو رہا ہے جب سے مسلمان قوم نے جدوجہد ترک کی ہے اس دن سے زمین و آسماں پر اس کی بربادی کے مشورے ہو رہے ہیں تقریباً سارے مسلم ممالک غیر مسلموں کے مقروض اور دست نگر ہیں علماء روزانہ ان کو کوستے ہیں اور بددعائیں دیتے ہیں مگر کامران طبقہ ان سے اپنی آزادی کی بھیک مانگتا ہے اور معاشی طور پر مفلوک حالی میں ان کے در پر جا کر گدا کرتے ہیں جو بھی حکمران بن کر آتا ہے نعرہ تو کشکول توڑنے کا لگاتا ہے مگر بھکاری اسی در کا ہوتا ہے بڑے شرم کا مقام ہے کہ ہماری تقدیر کے سارے فیصلے نیویارک اور واشنگٹن اور شملہ میں ہوتے ہیں حالانکہ تمام مسلمانوں کا حج خانہ کعبہ میں ادا ہوتا ہے۔

زور بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

کھولی ہیں شوق دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر راہ گذر پہ نقش کف پائے یار دیکھ

کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کے وجود کا پتہ دے رہا ہے خود انسانی وجود اللہ کے ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کائنات میں موجود تمام اشیاء اللہ کے ہونے کا احساس دلا رہی ہیں تمام کائنات اور سارے جہاں اللہ کے وجود کے شاہد ہیں مگر پھر بھی عقل کے اندھے اکثر یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ خدا نظر نہیں آتا اقبال فرماتے ہیں۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

جس آنکھ سے اللہ کو دیکھنے کی یہ خواہش کر رہے ہیں وہ اس آنکھ سے کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا کیا کہنا وہ تو بے نیاز ہیں قرآن مجید سورۃ **طٰہٰ** آیت نمبر 11 میں فرماتے ہیں۔
''اے موسیٰ میں ہی تمہارا رب ہوں تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو تم ایک پاک میدان طوٰی میں ہو''علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

تعلق باللہ کے لئے دانائے معرفت، حکیم تصوف قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے نہایت آسان اور مجرب نسخہ بتایا ہے وہ ہے پاس انفاس یعنی سانسوں کا خیال رکھنا کہ کوئی سانس بھی اللہ کی یاد کے بغیر نہ جائے اور نہ آئے یعنی ج۔ جودم غافل سودم کافر۔ سانوں مرشد ایہہ سمجھایا ہو۔ اِسی بات کو میاں محمد صاحب کھڑی شریف نے یوں فرمایا ہے۔

اول حمد ثناء الٰہی جو مالک ہر ہر دا
اِس دا نام چتارن والا کسے میدان نہیں ہردا

اور قرآن مجید میں سورۃ اعلیٰ میں اللہ نے فرمایا ''اپنے رب کے سب سے بڑے نام کا ذکر کرو'' اور وہ سب سے بڑا نام ہے۔اللہ

اِس راز کو پانے کیلئے اور اللہ کو اپنا مطلوب و مقصود بنانے کیلئے مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ تشریف لائیں مرکز مئے توحید پلانے کی خدمات انجام دے رہا ہے اللہ تعالیٰ اس کاشانہ توحید یہ کو تا قیامت آباد وشاد رکھے اور اس کے بسانے والوں، بنانے والوں اور آباد کرنے والوں کو خدا تعالیٰ ہمیشہ خوش وخرم رکھیں اور ان کی دستگیری خود دست رحمت سے فرمائیں (آمین)(ثمہ آمین) یارب العالمین۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کے مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

حرب اسلامی اور دفاع پاکستان

(کرنل فضل ربی)

غزوۂ صُلح حدیبیہ

(ذی قعدہ ۶ ھ)

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًاo

اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے انکے دلوں کا حال ان کو معلوم تھا اس لیے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو انعام میں قریبی فتح بخش دی۔

غزوہ احزاب (۵ ہجری) میں کفار ناکام و نامراد ہو کر لوٹ گئے تھے۔ مگر ان کے اندر اب بھی جوش موجود تھا۔ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے فوراً بعد بنو قریظہ کا محاصرہ کر کے انہیں بدعہدی کی سزا دی اسکے بعد آپؐ نے آئندہ مقام کے لیے حکمت عملی وضع کرنے اور زیارت بیت اللہ کی غرض سے نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا۔ اعلان کرنے پر چودہ سو صحابہ کرامؓ فوراً تیار ہوئے۔ عمرہ کی نیت باندھ کر قربانی کے اُونٹ ساتھ لئے دستور عرب کے مطابق ذاتی ہتھیار (تلوار) نیام کے اندر ساتھ لیکر یہ قافلہ روانہ ہوا۔ قربانی کے جانوروں کو ذوالحلیفہ میں چھوڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ پیشقدمی فوجی نظم وضبط اور حکمت عملی کے بالکل مطابق تھی۔ چودہ سو صحابہ کرامؓ کا ایک کالم کی صورت میں آگے بڑھنا دوسرے لفظوں میں جنگی مشق تھی جسے فوجی اصطلاح میں (EXERCISE WITH TROOPS) کہتے ہیں۔ قریش کو اطلاع ملی تو اپنے معبودوں کی قسمیں کھا کر عہد کیا کہ نبی کریم ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور قریش کی طرف سفارت بھیج کر اپنے سفر کے مقصد سے انہیں آگاہ کیا۔ سفارتوں کا تبادلہ ہوتا رہا اور ایک مرحلہ ایسا آیا کہ نبی کریم ﷺ نے تمام صحابہ کرامؓ سے مر مٹنے کی بیعت لی۔ چنانچہ روایت ہے۔

حضرت یزید بن ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع سے پوچھا

کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے حدیبیہ کے دن کس چیز پر بیعت لی۔ انہوں نے فرمایا موت پر۔

اِس حکمت عملی کے نتیجہ میں ایک اہم صلح نامہ وجود میں آ گیا جو بظاہر تو مسلمانوں کو مغلوب کیمپ میں لے جا رہا تھا۔ مگر اِس کے ایسے دور رس نتائج نکلے جو فتح خیبر اور فتح مکہ پر منتج ہوئے۔

غزوہ حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ نے مندرجہ ذیل دفاعی تدابیر اختیار کیں۔

حرکت پذیری مکہ میں جیسے ہی مسلمانوں کے کوچ کا پتہ چلا تو قریش نے خالد بن ولید کی سرکردگی میں سوار دستہ نبی کریم ﷺ کو روکنے کیلئے بھیجا اور مکہ میں بڑے لشکر کی تیاری کا اعلان کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کو جیسے ہی قریش کی تیاری کی اطلاع ملی تو آپ (ﷺ) نے اپنے قافلے کو نہایت دشوار گزار اور غیر معروف راستے سے گزار کر مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچا دیا۔ جو حرم مکہ میں شامل ہے۔ جبکہ دشمن کا رسالہ مدنی راستے پر واقع کراع الغمیم میں نبی کریم ﷺ کا انتظار کرتا رہا۔ اِس سرعت کے ساتھ حرکت پذیری اختیار کرنے پر نبی کریم ﷺ نے چودہ سو صحابہؓ کو بہ حفاظت مکہ کے حرم تک پہنچا دیا۔

معاہدے کی دفاعی حیثیت غزوہ احزاب تک نبی کریم ﷺ بنیادی طور پر دفاعی جنگوں میں پہل کی حکمت عملی پر کرتے رہے۔ مگر غزوہ حدیبیہ کے ساتھ نبی کریمؐ نے پہل (INITIATIVE) اپنے ہاتھ میں لینی چاہی۔

نظریہ جنگ میں اِس تبدیلی کا آغاز نبی کریم ﷺ نے غزوہ حدیبیہ سے کیا۔ اِس کے بعد نبی کریم ﷺ از خود لشکر لیکر دشمن کے مقابلے میں نکلتے رہے اور بعد کے تمام غزوات اور سریے دشمن کی سرزمین پر ہوئے۔ عسکری ذہن رکھنے والے بخوبی آگاہ ہیں کہ پہل کی کاروائی کے دوران بھی دفاع کی اہمیت اور ضرورت میں کمی نہیں آتی آج کل اِسے دفاع برائے اقدام (Pre-emptive Action) کہتے ہیں، جب تک دفاع موجود نہ ہو جارحانہ کاروائی کا تصور نا ممکن ہے۔ اِس لئے نبی کریمؐ نے غزوہ حدیبیہ میں پہل کی اِس کاروائی کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل دفاعی اقدامات بھی عمل میں لائے۔

O پیش قدمی کے وقت مکہ پر حملہ مقصود نہ تھا۔ اِس لئے قریش اپنے اتحادیوں کو خطرے کا

الارم دیکر نہ بلا سکے۔

O مدینہ سے خروج کے وقت نبی کریم ﷺ نے اطراف میں اطلاع بھجوائی تھی کہ مسلمان عمرے کے لئے جا رہے ہیں۔لہٰذا رائے عامہ مسلمانوں کے حق میں ہموار ہوئی اور غیر جانبدار لوگ کفار مکہ کو موردِ الزام ٹھہرانے لگے۔

O غیر معروف راستے سے نبی کریم ﷺ مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ کہ دشمن ناکہ بندی اور پہل سے ہٹ کر صرف مرکز (مکہ) کے دفاع میں پھنس گیا۔

O مکہ کے اندر قبیلہ بنو خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا جس سے دشمن کی سرزمین کے اندر مسلمانوں کی قوت قائم ہوئی اور مکہ کیلئے اب اپنا دفاع ایک گھمبیر مسئلہ بن گیا۔

O مکہ سے مجبوراً نکلے ہوئے مسلمان شرائط کے مطابق مدینہ میں پناہ نہ لے سکے اس لئے وہ مجبوراً ساحلِ سمندر کے ساتھ سکونت اختیار کر گئے کفار مکہ سے جلاوطنی کے اِنتقام کی خاطر قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کیا تو قریش نے خود حضور ﷺ سے درخواست کر کے یہ شرط منسوخ کرائی۔جس سے مسلمانوں کو از خود حفاظت نصیب ہوئی۔

O بدر، اُحد اور خندق میں پے در پے شکست دینے کے بعد نبی کریم ﷺ نے حکمت عملی کے باعث پر امن سفر کے ذریعہ دشمن کو ذہنی طور پر شکست دی اور خونریزی کے بغیر اپنا مقصد (OBJECTIVE) حاصل کیا۔

مقصد کے حصول لے لئے اِنتہائی کوشش

مدینہ منورہ سے نکلتے وقت نبی علیہ السلام کے پیش نظر عمرہ کی ادائیگی اور ایک منظم سفر (ORGANISED MARCH) تھا لیکن اس کے باوجود رکاوٹ بننے والے قریش کی ہٹ دھرمی کو نبی کریم ﷺ آخری وقت تک برداشت کرتے رہے اور آخری وقت (حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی افواہ تک) لڑنے کیلئے تیار نہ تھے اور اپنے ہدف (OBJECTIVE) کے حصول میں اِنتہائی کوشش کرتے رہے۔اِسی معاہدہ کی تحریر کے وقت نام مبارک کے رسول اللہ لکھنے پر سہیل نے اعتراض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلے تو یہ حقیقت ہے لیکن چونکہ مجھے صلح مقصود

ہے اِس لئے اگر تم یہ پسند نہیں کرتے تو مجھے اصرار نہیں اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ اِس جملے کو محو کر دیں۔

معنوی فتح صُلح حدیبیہ کے شرائط سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ نے دب کر یہ صلح نامہ کیا اور کفار کی طرف سے سخت شرائط قبول کیں مگر در حقیقت مسلمانوں کی بہبودی اور آئندہ شاندار فتوحات اِس صلح نامہ میں پوشیدہ تھیں چنانچہ روایت ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت **اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا** نازل ہوئی تو اِس وقت حضور نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے لوٹ کر آ رہے تھے۔ صلح حدیبیہ کو کھلی فتح قرار دینے کیلئے مندرجہ ذیل واقعات بطور دلیل پیش کئے جاتے ہیں۔

O صلح حدیبیہ کی رُو سے پہلی دفعہ دشمن نے بحیثیت ایک قوم مسلمانوں کو تسلیم کیا اِس وقت تک کفار مسلمانوں کو آبائی دین سے منحرف ایک باغی ٹولہ سمجھ رہے تھے۔

O دس سال تک بقائے امن کے معاہدے سے کفار کو موقع ملا کہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی ذات کو قریب سے دیکھیں۔ جس کے نتیجہ میں دونوں قوتوں کے درمیان میل جول بڑھا۔ اس تعلق کی بناء پر صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک دو سال کے عرصہ میں ابتدائی اُنیس ۱۹ سالوں سے زیادہ کی تعداد میں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔

گویا نبی کریم ﷺ نے مقصد کے حصول (مقصد نبوت) کے لئے پُر امن ماحول مہیا کیا۔

O صلح حدیبیہ تک مسلمانوں کے قریبی دشمن (IMMEDIATE ENEMY) کفار مکہ اور خیبر کے یہودی تھے دونوں کے ساتھ عداوت کی صورت میں ایک سے ٹکر لینے میں دوسرے کو موقع فراہم کرنا تھا۔ اِس لئے حکمت اِسی میں تھی کہ ایک مخالف کے ساتھ صلح کی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک دور اندیش دفاعی ماہر کی حیثیت سے دونوں میں بڑے اور ہر پہلو سے نرم گوشہ رکھنے والے گروہ (قریش) کے ساتھ صلح کی اور دوسرے کے ساتھ فوراً دو مہینے کے اندر اندر بذریعہ قتال فیصلہ کیا (غزوہ خیبر کے دوران)

مذہب اور تمدنی مسائل

(مولانا وحید الدین خاں)

تمدنی مسائل کے سلسلے میں بنیادی سوال یہ ہے کہ اس کا قانون کیا ہو، تمدنی مسائل انسانوں کے باہمی روابط سے پیدا ہوتے ہیں، اور ان روابط کو جو چیز منصفانہ طور پر متعین کرتی ہے، وہ قانون ہے، مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ آج تک انسان اپنی زندگی کا قانون دریافت نہ کرسکا، کہنے کو اگر چہ ساری دنیا میں قانونی حکومتیں قائم ہیں، مگر یہ تمام "قوانین" نہ صرف یہ کہ اپنے مقصد میں بری طرح ناکام ہیں بلکہ جبری نفاذ کے سوا ان کی پشت پر کوئی حقیقی وجہ جواز بھی موجود نہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ رائج الوقت قوانین اپنے حق میں علمی اور نظریاتی بنیاد سے محروم ہیں۔۔۔ فلر (L.L.FULLER) کے الفاظ میں قانون نے ابھی اپنے آپ کو نہیں پایا ہے، اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "قانون خود اپنی تلاش میں"۔

(THE LAW IN QUEST OF ITSELF)

دور جدید میں ان مسائل پر بے شمار لٹریچر تیار ہوا ہے، بڑے بڑے دماغ اپنی اعلیٰ صلاحتیں اور اپنے بہترین اوقات اس کے لئے صرف کر رہے ہیں، اور چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار کے الفاظ میں "قانون کو ایک زبردست فن کی حیثیت دے کر اس کو عظیم ترقی تک پہونچا دیا ہے" مگر اب تک ساری کوششیں قانون کا کوئی متفقہ تصور حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں، حتیٰ کہ ایک عالم قانون کے الفاظ میں "اگر دس قانون دانوں کو قانون کی تعریف بیان کرنے کیلئے کہا جائے تو بلا مبالغہ ہم کو گیارہ مختلف قسم کے جوابات سننے کے لئے تیار رہنا چاہیے" ماہرین قانون کی مختلف اقسام کو الگ کرنے کے لئے انہیں مختلف مکاتیب فکر میں تقسیم کیا جاتا ہے، مگر ان کی قسمیں اتنی زیادہ ہیں کہ بہت سے مصنفین اس طرح کی اختیار کردہ وسیع ترین تقسیم کی حد بندیوں میں بھی نہیں آتے، مثال کے طور پر جان آسٹن (JHON AUSTIN) کے متعلق پروفیسر پیٹن (G.W.PATON) نے لکھا ہے کہ وہ ہماری وسیع قسم بندی (BROAD DIVISIONS) میں سے کسی ایک میں بھی پوری طرح موزوں نہیں بیٹھتا"۔

(A TEXT BOOK OF JURISPRUDENCE(1905) P. 5.)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ماہرین قانون کو وہ صحیح اساس ہی نہیں ملی جس کی بنیاد پر وہ مطلوبہ قانون کی تشکیل کر سکیں، وہ قانون کے اندر جن ضروری قدروں کو یکجا کرنا چاہتے ہیں، جب وہ انہیں یکجا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ یکجا نہیں ہو رہی ہیں، اس سلسلے میں ماہر قانون کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو مینڈکوں کی پنسیری بنا رہا ہو، ظاہر ہے کہ وہ پانچ مینڈکوں کو یکجا کرے گا تو دوسرے پانچ اس کے پلڑے میں سے پھدک کر نکل چکے ہوں گے، اس طرح معیاری قانون کو حاصل کرنے کی اب تک کوششیں صرف ناکامی پر ختم ہوئی ہیں، فرائڈمین (W.FRIEDMANN) کے الفاظ میں:۔

''یہ ایک حقیقت ہے کہ مغربی تہذیب کو اس مسئلہ کا کوئی حل اب تک اس کے سوا نہیں مل سکا کہ وہ گاہ بگاہ ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف لڑھک جایا کرے''۔

(LEAGAL THEORY,P.18)

جان آسٹن جس کی کتاب پہلی بار 1861ء میں شائع ہوئی، اس نے دیکھا کہ قوت نافذہ کے بغیر کوئی قانون، قانون نہیں بنتا، اس لئے اس نے قانون کی تعریف یہ کی:۔

''قانون ایک حکم ہے جو سیاسی طور پر اعلیٰ شخص (POLITICAL SUPERIOR) نے سیاسی طور پر ادنیٰ شخص (POLITICAL INFERIOR) کے لئے نافذ کیا ہو''۔

(A TEXT BOOK OF JURISPRUDENCE, P.56.)

اس تعریف میں قانون بس ایک صاحب اقتدار کا فرمان (COMMAND OF THE SOVEREIGIN) بن کر رہ گیا۔ (پیٹن ص 6)

چنانچہ بعد کو اس پر شدید اعتراضات کئے گئے، نیز حکمرانوں کی بدعنوانی دیکھ کر ذہنوں میں یہ تصور ابھرا کہ قانون سازی میں قوم کی مرضی کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے، چنانچہ ایسے علمائے قانون پیدا ہوئے جنہوں نے کسی ایسے ضابطہ و قاعدہ کو قانون تسلیم کرنے سے انکار کیا جس کی پشت پر قوم کی رضامندی نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ضابطہ تمام اہل علم اور معلمین اخلاق

کے نزدیک صحیح اور مفید ہونے کے باوجود محض اس لئے رائج نہیں ہوسکتا کہ رائے عامہ اس کے خلاف ہے، مثلاً امریکہ میں شراب کی پابندی کے قانون کو امریکی قوم کی رضامندی نہ ملنے کی وجہ سے قانون کی حیثیت حاصل نہیں ہوئی، اسی طرح برطانیہ میں قتل کی سزا میں ترمیم کرنی پڑی اور ہم جنسی جیسی قبیح حرکت کو قانون کی حد میں لانا پڑا، حالانکہ ملک کے جج اور سنجیدہ لوگ اس کے خلاف تھے، اسی طرح یہ بات بھی زبردست بحث کا موضوع رہی ہے کہ قانون قابل تغیر ہے یا نا قابل تغیر قرون وسطٰی اور زمانہ ماقبل تجدید(POST-RENAISSANCE PERIOD) میں قانون طبعی یا قانون فطرت کو کافی فروغ حاصل ہوا ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ انسان کی جو فطرت ہے، وہی قانون کا بہترین ماخذ ہے:۔

''فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شے پر حکومت کا حق خود اسی کے فطری تقاضوں اور رہنما اصولوں کو پہونچتا ہے، اور انسان کے لئے قدرت نے یہ رہنما اصول اس کی عقل کی شکل میں پیدا کئے ہیں لہٰذا انسان پر حکومت خود اپنی عقل کے زور سے ہی قائم کی جا سکتی ہے''۔

(JURISPRUDENCE BY BODENHEIMER, P.164.)

اس تصور نے قانون کو ایک آفاقی بنیاد فراہم کردی یعنی وہ ایک ایسی چیز سمجھا جانے لگا جس کو ہمیشہ ایک ہی رہنا چاہئے، یہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کا تصور قانون تھا، اس کے بعد دوسرا مکتب فکر پیدا ہوا اور اس نے دعویٰ کے قانون کے آفاقی قواعد معلوم کرنا ممکن ہیں، کوہلر(KOHLER) لکھتا ہے۔

''یہاں کوئی ابدی قانون (ETERNAL LAW) نہیں ہے، ایک قانون جو ایک عہد کے لئے موزوں ہو، وہی لازمی طور پر دوسرے عہد کے لئے موزوں نہیں ہوسکتا، ہم صرف اس بات کی کوشش کرسکتے ہیں کہ ہر کلچر کے لئے اس کے مناسب حال نظام قانون کو فراہم کریں، کوئی چیز جو ایک کے لئے خیر ہو، وہی دوسرے کے لئے مہلک ہو سکتی ہے''۔

(PHILOSOPHY OF LAW, P.5.)

اس تصور نے فلسفہ قانون کا سارا استحکام ختم کردیا، یہ تصور انسانی فکر کو اندھا دھند تغیر پذیری (RELATIVISM) کی طرف لے جاتا ہے، اور چونکہ یہ کسی بنیاد سے محروم ہے، اس لئے اس

کی کوئی منزل نہیں، یہ تصور زندگی کی تمام اقدار کو تلپٹ کر کے رکھ دیتا ہے، پھر ایک گروہ نے ہر طرف سے سمٹ کر عدل کے پہلو کو بہت زیادہ اہمیت دی۔۔۔ لارڈ رائٹ (LORD WRIGHT) ڈین راسکو پاونڈ (DEAN ROSCOE POUND) کا ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''راسکو پاونڈ ایک ایسی بات کہتا ہے جس کی صداقت پر میں اپنے تمام تجربات اور قانونی مطالعہ کے نتیجے میں بالکل مطمئن ہو چکا ہوں، وہ یہ کہ قانون کا ابتدائی اور بنیادی مقصد انصاف کی تلاش (QUEST OF JUSTICE) ہے''۔

(INTERPRETATION OF MODERN LEGAL)
(PHILOSOPHIES(N.Y.1947)

مگر یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ انصاف کیا ہے، اور اس کو کیسے متعین کیا جاسکتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ بات گھوم پھر کر دوبارہ وہیں پہونچ جاتی ہے، جہاں آسٹن کو ہم نے چھوڑا تھا، اس طرح سیکڑوں برس کی تلاش و تحقیق کے باوجود انسان اب تک قانون کی تشکیل کے لئے کوئی واقعی بنیاد فراہم نہ کرسکا، یہ احساس روز بروز بڑھتا رہا ہے کہ جدید فلسفہ مقاصد قانون کے اہم مسئلہ کو حل کرنے میں ناکام رہا ہے، پروفیسر پیٹن (GEORGE WHITECROSS PATON) لکھتے ہیں:۔

''کیا مفادات (INTERESTS) ہیں جن کا تحفظ ایک معیاری قانونی نظام کو کرنا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو اقدار (VALLUES) سے متعلق ہے، اور وہ فلسفہ قانون کے دائرہ بحث میں آتا ہے، مگر اس معاملے میں ہم فلسفہ سے جتنی مدد لینا چاہتے ہیں اتنا ہی اس کا حصول مشکل معلوم ہوتا ہے، کوئی بھی قابل قبول پیمانہ اقدار (SCALE OF VALUES) اب تک دریافت نہیں ہوسکا ہے، درحقیقت صرف مذہب ہی میں ایسا ہے کہ ہم اس کی ایک بنیاد پاسکتے ہیں، مگر مذہب کی صداقتیں عقیدہ یا وجدان کے تحت قبول کی جاتی ہیں، نہ کہ منطقی استدلال کی بنیاد پر''۔

(A TEXTBOOK OF JURISPRUDENCE, P.104)

آگے وہ کچھ علمائے قانون کا یہ خیال نقل کرتا ہے کہ وہ مدتوں فلسفہ قانون کی بھول بھلیاں میں گردش کرنے کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ فلسفہ قانون نے قانون کے مقصد کے فلسفیانہ مطالعہ کی جو کوشش کی ہے، وہ کسی نتیجہ تک نہیں پہنچی (صفحہ ۱۰۶) پھر وہ سوال کرتا ہے۔۔۔

''کیا کچھ معیاری اقدار (IDEAL VALUES) ہیں، جو ارتقائے قانون میں اس کی رہنمائی کرتی ہیں''۔(صفحہ 108) ایسی اقدار اگر چہ اب تک دریافت نہیں ہو سکیں لیکن وہ قانون کے لئے ناگزیر ہیں، مگر دقت یہ ہے کہ مذہب کو الگ کرنے کے بعد اس کے حصول کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"THE ORTHODOX NATURAL LAW THEORY BASED ITS ABSOLUTES ON THE REVEALED TRUTHS OF RELIGION. IF WE ATTEMPT TO SECULARISE JURISPRUDENCE, WHERE CAN WE FIND AN AGREED BASIS OF VALUES")

یہ طویل تجربہ انسان کو دوبارہ اسی طرف لوٹنے کا اشارہ کرتا ہے، جہاں سے اس نے انحراف کیا تھا، قدیم زمانے میں قانون کی تدوین و تشکیل میں مذہب کا بہت بڑا حصہ ہوتا تھا، چنانچہ تاریخ قانون کا ماہر سر ہنری مین (SIR HENRY MAINE) لکھتا ہے:۔

''تحریری طور پر منضبط قانون کا کوئی ایسا نظام، چین سے پیرو (PERU) تک نہیں ملتا جو اپنے دورِ آغاز سے مذہبی رسوم و عبادات کے ساتھ ہم رشتہ نہ ہوا۔''

(EARLY LAW AND CUSTOM, P.5.)

اب وقت آ گیا ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ خدا کی رہنمائی کے بغیر انسان خود اپنے لئے قانون وضع نہیں کر سکتا، لاحاصل کوشش کو مزید جاری رکھنے کے بجائے اب ہمارے لئے بہتر ہوگا کہ ڈاکٹر فرائڈ مین کے الفاظ میں ہم اعتراف کر لیں کہ۔

''ان مختلف کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انصاف کے حقیقی معیار کو معین کرنے کے لئے مذہب کی رہنمائی حاصل کرنے کے سوا دوسری ہر کوشش بے فائدہ ہوگی، اور

انصاف کے مثالی تصور کوعملی طور پر متشکل کرنے کے لئے مذہب کی دی ہوئی اساس بالکل منفرد طور پر حقیقی اور سادہ بنیاد ہے"۔(LEGAL THEORY, P. 450)

مذہب کے اندر ہم کو وہ تمام بنیادیں نہایت صحیح شکل میں مل جاتی ہیں، جو ایک معیاری قانون کے لئے ماہرین تلاش کر رہے ہیں، مگر وہ اب تک اسے نہ پا سکے۔

1۔قانون کا سب سے پہلا اور لازمی سوال یہ ہے کہ قانون کون دے، وہ کون ہو جس کی منظوری (SANCTION) سے کسی قانون کو قانون کا درجہ عطا کیا جائے، ماہرین اب تک اس سوال کا جواب حاصل نہ کر سکے، اگر حاکم کو بحیثیت حاکم یہ مقام دیں تو نظری طور پر اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ ایک یا چند اشخاص کو دوسرے تمام لوگوں کے مقابلے میں یہ امتیازی حق کیوں دیا جائے اور نہ عملاً یہ مفید ہے کہ ایک شخص کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ جو چاہے، قانون بنائے اور جس طرح چاہے نافذ کرے، اور اگر معاشرہ اور اجتماع کو "قانون ساز" قرار دیں تو یہ اور زیادہ مہمل بات ہے کیونکہ معاشرہ بحیثیت مجموعی وہ علم و عقل ہی نہیں رکھتا جو قانون سازی کے لئے ضروری ہے، قانون بنانے کے لئے بہت سی مہارتوں اور واقفیتوں کی ضرورت ہے جس کی نہ عام لوگوں میں صلاحیت ہوتی ہے اور نہ ان کو اتنا موقع ہوتا ہے کہ وہ ان میں درک حاصل کر سکیں، اسی طرح عملاً بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ معاشرہ کی کوئی ایسی رائے معلوم کی جا سکے جو سارے معاشرہ کی اپنی رائے ہو۔

موجودہ زمانے میں اس مسئلے کا یہ حل نکالا گیا ہے کہ پوری آبادی کے عاقل اور بالغ افراد اپنے نمائندے منتخب کریں اور یہ منتخب لوگ اجتماع کے نمائندے کی حیثیت سے اجتماع کے لئے قانون بنائیں، مگر اس اصول کی غیر معقولیت اسی سے ظاہر ہے کہ 51 فی صدی کو صرف دو عدد کی اکثریت کی بنا پر یہ حق مل جاتا ہے کہ وہ 49 فی صدی کی نام نہاد اقلیت پر حکمرانی کریں، مگر بات صرف اتنی ہی نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس طریقے کے اندر اتنے خلا ہیں کہ عموماً 51 فی صدی کی اکثریت بھی حاصل نہیں ہوتی اور مطلق اقلیت کو یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ اکثریت کے اوپر حکومت بنائے، مثال کے طور پر ہندوستان میں اس وقت ہم جس حکومت کے تحت ہیں، وہ 1946ء میں تیسرے عام الیکشن کے ذریعہ برسر اقتدار آئی ہے، کانگریس کو ملک میں یہ اقتدار 70 فی صدی

نشستوں پر قبضہ کر کے حاصل ہوا ہے، جبکہ اس کو ووٹ صرف چالیس فی صدی ملے تھے، یہی حال آزادی کے بعد پچھلے دونوں الیکشنوں کا بھی تھا، ہر بار کانگریس کو پچاس فی صدی سے کم ووٹ ملے مگر اس کے باوجود ہر بار اسی نے حکومت بنائی اس کی وجہ یہ ہے کہ بقیہ ووٹ پچاس فی صدی سے زائد ہونے کے باوجود مختلف پارٹیوں میں بٹے ہوئے تھے، اور کسی ایک پارٹی کے مقابلے میں کانگرس کے رائے دہندگان کی تعداد زیادہ تھی ،صرف اشتراکی ملکوں کے مصنوعی انتخابات اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اس طرح فلسفہ قانون کو آج تک اس مسئلہ کا کوئی واقعی حل معلوم نہ ہو سکا، مذہب اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ قانون کا ماخذ خدا ہے، جس نے زمین و آسمان کا اور ساری طبیعی دنیا کا قانون مقرر کیا ہے، اسی کو حق ہے کہ وہ انسان کے تمدن و معاشرت کا قانون وضع کرے، اس کے سوا کوئی بھی نہیں ہے جس کو یہ حیثیت دی جا سکے، یہ جواب اتنا سادہ اور معقول ہے کہ وہ خود ہی بول رہا ہے کہ اس کے سوا اس مسئلہ کا کوئی اور جواب نہیں ہو سکتا، یہ جواب اس سوال پر اسی طرح بالکل راست آ رہا ہے، جیسے کوئی ڈھکن غلط شیشوں پر بیٹھ نہ رہا ہو، اور جیسے ہی اس کے اصل مقام پر اسے لایا جائے وہ ٹھیک ٹھیک اس پر بیٹھ جائے۔

اس جواب میں قانون بنانے اور حکم دینے کا حق ٹھیک اس جگہ پہنچ گیا جہاں نہ پہنچنے کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہم اس کو کہاں لے جائیں، انسانوں کے اوپر انسان کو حاکم اور قانون ساز نہیں بنایا جا سکتا، اس کا حق تو صرف اسی کو ہے جو سارے انسانوں کا خالق اور بالفعل ان کا طبیعی حاکم ہے۔

2۔ قانون کا ایک بہت بڑا سوال یہ ہے کہ کیا اس کا سارا حصہ اضافی ہے یا اس کا کوئی جزو حقیقی نوعیت بھی رکھتا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہ ہر وہ قانون جو آج رائج ہے کل بدلا جا سکتا ہے یا اس کا کوئی حصہ ایسا بھی ہے جو ناقابل تغیر ہے، اس سلسلے میں طویل ترین بحثوں کے باوجود آج تک کوئی قطعی بنیاد حاصل نہ ہو سکی، علمائے قانون اصولی طور پر اس کو ضروری سمجھتے ہیں کہ قانون میں ایک ایسا عنصر ضروری ہے جو دوامی نوعیت رکھتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس میں ایسے اجزاء بھی ہونے چاہئیں جن میں لچک ہوتا کہ بدلتے ہوئے حالات پر انہیں بآسانی منطبق کیا

جا سکے۔۔۔۔دونوں میں سے کسی ایک پہلو کی کمی بھی قانون کے لئے سخت مضر ہے، امریکہ کے ایک جج مسٹر کارڈوزو (JUSTICE CARDOSO) لکھتے ہیں:۔

''آج قانون کی اہم ترین ضروریات میں سے ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ ایک ایسا فلسفہ قانون مرتب کیا جائے جو ثبات اور تغیر کے متحارب تقاضوں کے درمیان توافق پیدا کرے''۔

(THE GROWTH OF THE LAW)

ایک اور عالم قانون لکھتا ہے:۔

''قانون کو ضرور مستحکم ہونا چاہئے لیکن اس کے باوجود اس میں جمود نہیں پیدا ہونا چاہئے، اسی وجہ سے قانون کے متعلق مفکرین نے اس بارے میں کافی جدوجہد کی ہے، کہ کس طرح استحکام اور تبدیلی کے دوطرفہ تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کی جائے''۔

(ROSCOEPOUNDINTERPRETATONSOF LEGALHISTORYP.1)

مگر حقیقت یہ ہے کہ انسانی قوانین میں اس قسم کا فرق پیدا کرنا ناممکن ہے، کیونکہ قانون کے کسی حصہ کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ دائمی اور ناقابل تغیر ہے، کوئی دلیل چاہتا ہے، اور انسانی قانون ایسی کوئی دلیل پیش کرنے سے عاجز ہے، آج کچھ لوگ ایک قانون کو اپنی عقل سے دائمی قرار دیں گے، اور کل کچھ لوگوں کی عقل کو نظر آئے گا کہ وہ دائمی ہونے کے قابل نہیں ہے، اور وہ دوبارہ اس کے قابل تغیر ہونے کا اعلان کر دیں گے۔

خدا کا قانون ہی اس مسئلے کا واحد حل ہے، خدا کا قانون ہم کو وہ تمام بنیادی اصول دے دیتا ہے جو غیر متبدل طور پر ہمارے قانون کا لازمی جزو ہونے چاہئیں، یہ قانون کچھ بنیادی امور کے بارے میں بنیادی پہلوؤں کا تعین کرتا ہے، اور بقیہ امور اور دیگر پہلوؤں کے بارے میں خاموش ہے، اس طرح وہ اس فرق کا تعین کر دیتا ہے کہ قانون کا کون سا حصہ دائمی ہے، اور کونسا حصہ قابل تغیر ہے، پھر وہ خدا کا قانون ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھ یہ ترجیحی دلیل بھی رکھتا ہے کہ کیوں ہم اس تعین کو مبنی برحق سمجھیں اور اس کو لازمی قرار دیں۔

یہ خدائی قانون کی ایک بہت بڑی دین ہے، بلکہ ایک ایسی دین ہے، جس کا بدل فراہم کرنا انسان کیلئے قطعی ناممکن ہے۔ (جاری)

کائنات کے پانچ راز

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

یہ عہد حاضر کی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ تحقیقات اور ایجادات کے اعتبار سے سائنس کے کمالات آج اپنے پورے عروج پر ہیں۔ چنانچہ حیاتِ انسانی کے ان گنت شعبوں کے علاوہ سائنس دانوں نے بری، بحری اور فضائی حوالوں سے ایسی ایسی تحقیقات کی ہیں اور جنگلوں، صحراؤں، سمندروں اور پہاڑوں کے بارے میں ایسی ایسی نادرونایاب معلومات فراہم کی ہیں کہ جن کا مطالعہ کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرتوں کا مزید انکشاف ہوتا ہے جو ایمان میں اضافے اور پختگی کا سبب بنتی ہیں۔ حقیقت ہے کہ علم وتحقیق کے حوالے سے یہ سائنس دان بصیرت اور فراست رکھنے والے ہر فرد کے محسن ہیں اور ان کیلئے دل میں بے اختیار تشکر اور احسان مندی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن سائنس کی بے مثال اور محیر العقول ترقیوں کے باوجود کرۂ ارضی اور کائنات کے حوالے سے چند سوالات ایسے ہیں کہ سائنس دان تمام تر کوششوں کے باوجود اُن کے جواب تلاش نہیں کر سکے اور سال ہا سال کی تلاش وجستجو کے باوجود اُن کی کوئی وضاحت اور توجیہہ سامنے نہیں آ سکی۔۔ وہ سوالات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ برمودا مثلث (ٹرائی اینگل) کا راز کیا ہے؟

۲۔ اُڑن طشتریوں کی حقیقت کیا ہے؟

۳۔ امریکی خلائی ادارے ناسا (NASA) نے اپنی دوربین ''ہبل'' (Hubble) کے ذریعے سے کائنات کے دور دراز گوشوں کی جو تصاویر حالیہ برسوں میں فراہم کی ہیں، اُن کی حقیقت کیا ہے؟

۴۔ بلیک ہولز (Black Holes) دراصل کیا ہے؟

۵۔ دنیا میں گرمی کا تناسب بڑھ رہا ہے اور گلیشیر کیوں پگھلنے لگ گئے ہیں؟

آیئے سب سے پہلے برمودا مثلث کے راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

میں اس امر کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں اوسط درجے کی صلاحیتوں کا ایک فرد ہوں اور دینی و سائنسی حوالوں سے میرا مطالعہ بہت ہی محدود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق

سے میں جدید ترین سائنسی معلومات بہت شوق اور توجہ سے پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں اور ان سے ایسے نتائج اخذ کرلیتا ہوں جو نادر ہیں اور ایمان میں اضافے کا موجب بن سکتے ہیں۔۔۔آیئے آپ بھی اس مطالعے میں میرے شریک ہو جایئے۔

امریکہ کے جنوب مشرقی ساحلوں کے قریب بحرِ اوقیانوس میں برمودا (Bermuda) نامی جزائر ہیں۔ان جزائر کے قرب میں ایک مثلث نما (Triangle) بحری علاقہ صدیوں سے پراسرار واقعات اور حادثات کا موضوع بنا ہوا ہے۔اس علاقے سے گزرنے والے بحری جہاز، کشتیاں بلکہ ہوائی جہاز بھی ٹھیک اس علاقے میں جا کر یکا یک غائب ہو جاتے ہیں اور پھر ان کا کہیں بھی سراغ نہیں ملتا۔چنانچہ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک ڈیڑھ سو بحری اور ہوائی جہاز اور ہزاروں افراد کوئی سراغ یا نشان چھوڑے بغیر یہاں غائب ہو چکے ہیں۔

۱۹۷۴ـ۷۶ء کے دو سالوں میں چھ سو سے زیادہ کشتیاں اور چھوٹے جہاز اس علاقے میں گم ہو گئے ہیں اور ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔

مثلث برمودا عہدِ حاضر کا شاید سب سے بڑا راز ہے۔امریکہ اور یورپ بھر کے سائنس دان اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس راز کے چہرے پر پڑے ہوئے نقاب ہٹا نہیں سکے۔اس علاقے میں بے حد حیرت انگیز واقعات رونما ہوتے ہیں جنکی کوئی بھی سائنسی یا عقلی توجیہہ نہیں کی جا سکی۔ یہاں پہنچتے ہی ہوائی جہازوں کے کمپاس کی سوئیاں تیزی سے گھومنے لگتی ہیں اور جائرو سکوپ (Gyro Scope جہاز کے توازن اور سمت کو درست رکھنے والا آلہ) ناکارہ ہو جاتے ہیں، ریڈیائی پیغامات میں خلل آ جاتا ہے اور جہازوں کے پائیلٹ ایک بالکل ہی انوکھے ماحول میں گھر جاتے ہیں، چنانچہ اُن کے جو آخری پیغامات کنٹرول روم میں سنائی دیتے ہیں وہ شدید ترین خوف اور گھبراہٹ کی عکاسی کرتے ہیں۔ ''یہاں مکمل اندھیرا ہے۔۔۔گھپ اندھیرا، جہاز بے قابو ہو رہا ہے، ہم کہاں جا رہے ہیں، یہ کیا ہو رہا ہے، اور اس کے بعد گہری خاموشی چھا جاتی ہے، ہمیشہ کی خاموشی۔۔۔اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان حادثات کی زد میں آنے والا کبھی ایک فرد بھی زندہ نہیں بچا۔۔۔اور گم ہونے والے ہوائی یا بحری جہازوں کی تلاش میں جو ٹیمیں اُدھر گئیں، وہ بھی کبھی لوٹ کر نہیں آئیں، نہ اُن کا کوئی پتہ نشان مل سکا۔

البتہ چند جہاز جو اس کی لپیٹ میں آ تو گئے لیکن دس پندرہ منٹ کے بعد انہیں رہائی مل گئی، تو

حیرت انگیز طور پر اُن کی گھڑیاں پیچھے رہ گئیں۔ اس علاقے کی پراسراریت کا یہ عالم ہے کہ دسمبر ۱۹۴۵ء میں پانچ امریکن بمبار ہوائی جہازوں کا پورا ایک فلیٹ تربیتی پرواز کے دوران یوں غائب ہوگیا کہ جیسے کبھی اُس کا وجود ہی نہ تھا اور جب یہ حادثہ پیش آیا تو موسم بڑا ہی سازگار تھا اور سمندری طوفان یا جھکڑ کا کوئی وجود نہ تھا۔ اسی طرح برٹش ساؤتھ امریکہ ائیر لائنز کے تین جہاز اپنے تمام مسافروں سمیت غائب ہوگئے اور ان کا کوئی نشان تک نہ ملا۔

غائب ہونے والے جہازوں کے کپتانوں نے آخری پیغامات میں اپنے سامنے چمکدار بادلوں اور سفید پانیوں کا ذکر تکرار کے ساتھ کیا ہے۔ سب سے حیرت انگیز اور پُراسرار چیز اس علاقے میں اُڑن طشتریوں کا وجود ہے، جن کو اب تک ہزاروں افراد کھلی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ ڈسک کی شکل کی یہ خلائی گاڑیاں برمودا کی فضاؤں میں عام اُڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز ہوتی ہے، ان میں سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوتی اور ان کے رنگ کبھی سرخ اور کبھی نارنجی شیڈ میں تبدیل ہوجاتے ہیں ۔۔۔۔ یہ یکا یک نمودار ہوتی اور کوئی شور پیدا کیے بغیر یکا یک سمندر میں غائب ہوجاتی ہیں۔ بے شمار لوگوں نے دیکھا ہے کہ برمودا کے پانیوں میں سے ایک ''جہاز'' نکلتا ہے اور آواز پیدا کیے بغیر آسمان کی وسعتوں میں گُم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح یکا یک ایک جہاز فضا میں نمودار ہوتا ہے اور سمندر میں اس طرح غوطہ لگا جاتا ہے کہ نہ پانی اڑتا ہے نہ لہریں پیدا ہوتی ہیں اور نہ کوئی شور سنائی دیتا ہے۔ امریکی خلائی ادارے ناسا کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق 1947ء سے 1970ء تک بارہ ہزار چھ سو اٹھارہ افراد نے شہادت دی کہ انہوں نے برمودا کی فضاؤں میں پُراسرار اُڑن طشتریاں اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔

اسی نوعیت کے ان گنت محیر العقول واقعات اس علاقے میں وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک بار رات کے پونے بارہ بجے ایک امریکی بحری جہاز برمودا کے علاقے میں محوِ سفر تھا۔ کوئی چلایا کہ جہاز کے دائیں جانب والے نگران نے کوئی چیز دیکھی ہے اور وہ بے ہوش ہوگیا ہے۔ کوئی اور چیخا کے باہر کوئی پُراسرار چیز ہے۔ اس جہاز کا ایک افسر رابرٹ ریلے لکھتا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کی معیت میں باہر نکلا۔ دیکھا کہ چاند جیسی کوئی چیز تھی جو تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر افق سے بلند ہورہی تھی۔ مگر اُس کا حجم چاند سے تقریباً ایک ہزار گنا بڑا تھا، وہ چیز خود بے حد روشن تھی، مگر اُس سے روشنی خارج نہیں ہورہی تھی۔ مزید حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ چیز راڈار پر نظر

نہیں آرہی تھی۔

اسی طرح گوبھی کے پھول سے مشابہ پانی کے ایک بڑے پہاڑ کے بلند ہونے کا منظر 11 اپریل 63ء کو بوئنگ 707 کے ہوابازوں نے دیکھا۔ یہ منظر دن کے ڈیڑھ بجے اکتیس ہزار فٹ کی بلندی سے پائیلٹ، کیپٹن اور فلائیٹ انجینئروں نے بڑے واضح انداز میں دیکھا۔ پانی کے اس پہاڑ کی چوڑائی تقریباً ایک میل اور بلندی تقریباً تین ہزار فٹ تھی۔

صاف کھلے وسیع آسمان پر عجیب وغریب ساخت کے اکیلے دوکیلے بادلوں کا مشاہدہ بھی یہاں روزمرہ کا معمول ہے۔ یہ بادل ڈراؤنے انداز میں چمکتے اور عجیب عجیب شکلیں اختیار کرتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایئرفورس کا ایک طیارہ اسی طرح کے بادلوں کے قریب سے گزرا تو ان میں سے انتہائی تیز سرچ لائیٹ کی شعاع نکلی اور تقریباً دو سیکنڈ تک جہاز کے گردوپیش کا جائزہ لیتی رہی، پھر طیارے پر آکر ٹھہر گئی اور اُس وقت تک طیارے کو اپنے حصار میں لیے رہی جب تک طیارہ بادلوں کے قریب سے نہیں گزر گیا۔ یہ سب کچھ چھ سیکنڈ میں ہوگیا۔ پائیلٹ نے صورت حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے طیارے کا رُخ جلدی سے موڑلیا۔

برمودا کے علاقے میں ایسی مثالیں بھی بہت سی ہیں کہ بحری جہاز تو سلامت رہا لیکن اُس کے سینکڑوں مسافر پُراسرار طور پر غائب ہوگئے اور ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ مسافروں کے کمروں میں ایک ایک چیز صحیح حالت میں اپنی اپنی جگہ موجود پائی گئی۔

اور جیسا کہ عرض کرچکا ہوں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ بعض ہوائی جہاز اس فضا میں غیر معمولی حالات سے دوچار ہوئے، اُن کے سارے آلات جام ہوگئے، وہ شدید ترین تاریکیوں میں گھر گئے، لیکن پھر اس بحرانی کیفیت سے نکل گئے، لیکن حیرت انگیز طور پر جہاز کی اور عملے کی گھڑیاں دس یا پندرہ منٹ پیچھے ہوگئیں۔

مثلث برمودا کے اسرار کا ایک اور حیرت انگیز پہلو ---- لانگ وڈ کالج ورجینیا کے فزکس کے پروفیسر وائن مشیجن اپنے معاونین کے ساتھ تین برسوں سے موسمی سیاروں سے حاصل کردہ تصاویر کے تجزیے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے مشاہدہ کیا کہ گزشتہ دو سالوں میں موسمی سیارے آٹھ سو میل کی بلندی پر جب برمودا مثلث کے عین اوپر پہنچتے ہیں تو ان کے سارے آلات ایک دم ناکارہ ہوجاتے ہیں ہیں اور ٹیپ شدہ تصاویر میں سگنلز کی ترسیل بند ہوجاتی ہے۔

برمودا مثلث کے بارے میں یہ معلومات میں نے ان مضامین سے حاصل کی ہیں جو کراچی کے ماہنامہ ''سائنس ڈائجسٹ'' میں نومبر 1998ء سے فروری 2000ء تک مسلسل تیرہ قسطوں میں شائع ہوتے رہے۔

برمودا مثلث کے اسرار کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کنہ تک پہنچنے کی بہت سے سائنس دانوں اور محققین نے کوشش کی ہے مگر سچی بات ہے کہ کسی ایک کو بھی مطلوب کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جب حال یہ ہے کہ گم شدہ بحری اور ہوائی جہازوں کی تلاش میں جانے والی کوئی ایک تحقیقاتی ٹیم بھی واپس نہیں آئی اور آٹھ سو میل کی بلندی پر بھی خلائی سیاروں کے آلات برمودا مثلث کے اوپر آ کر بے کار ہو جاتے ہیں، تو اس راز کو بے نقاب کرنے کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟ چنانچہ اس حوالے سے جتنی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں، اُن میں محض اٹکل پچو سے کام لیا گیا ہے، بے سروپا مفروضے ہیں جو پیش کیے گئے ہیں اور متذکرہ نوعیت کے محیّر العقول واقعات کا کوئی ٹھوس، قابل قبول سبب بیان نہیں کیا گیا۔ چنانچہ روزِاول کی طرح یہ معما آج بھی لاینحل ہے اور اس کی کوئی سائنسی عقلی توجیہہ پیش نہیں کی جاسکی۔

میرے نزدیک برمودا مثلث کے اسرار کی ایک ہی ممکن توجیہہ ہے کہ ہم کامل اعتماد کے ساتھ قرآن پاک اور نبی اکرم ﷺ کے فرمودات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ اس حوالے سے میں اپنا حاصل مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

قرآن پاک میں ہے کہ موت کے بعد انسانوں کی گناہگار یا مجرم روحیں سجّین میں رکھی جاتی ہیں جبکہ نیک روحوں کو علیین میں پہنچا دیا جاتا ہے (سورۃ المطففین 83: آیات 7، 18) نبی اکرم ﷺ نے علیین کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ علیین تو آسمانوں پر ہے جبکہ سجّین زمین کی گہرائیوں کے اندر ہے۔ سجّین کے لغوی معنی ہیں کھلے منہ تنگ، گہرا غار۔

(روایت حضرت براء بن عازبؓ تفسیر ابن کثیر سورۃ المطففین جلد پنجم و مسند امام احمد جلد چہارم)

حضور نبی اکرم ﷺ ہی کی حدیث ہے کہ جب ایک شخص مرتا ہے تو دفن ہونے تک اُس کی روح وہیں موجود رہتی ہے اور اُس کے لواحقین جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں، اُسے دیکھتی اور سنتی ہے لیکن کچھ بھی کرنے کے لائق نہیں ہوتی۔ (او کما قالؐ)

اس تناظر میں امریکہ کے ایک باہمت سائنس دان ڈاکٹر ریمونڈ اے موڈی

(Raymond A Moodi) نے بڑے ہی نادر موضوع پر تحقیق کی ہے۔موصوف فلسفہ میں پی ایچ ڈی اور میڈیکل سائنس میں ایم ڈی ہیں اور ورجینیا یونیورسٹی میں ریڈر کے عہدے پر فائز ہیں۔اُنہوں نے ''لائف آفٹر لائف'' کے عنوانات سے ایک کتاب مرتب کی، جس کا ترجمہ ستار طاہر مرحوم نے ''موت کے بعد زندگی'' کے عنوان سے کیا تھا اور اسے ''دار لبلاغ'' محمد نگر، لاہور نے نومبر 1980ء میں شائع کیا تھا۔ڈاکٹر موڈی نے ڈیڑھ سو ایسے افراد تلاش کر لیے جو کسی حادثے یا بیماری کے بعد وہ زندہ ہو کر ہوش میں آ گئے۔موصوف نے اُن سے انٹرویوں کیے۔

کم و بیش ان سب نے تین باتیں مشترک طور پر بیان کیں:

ایک یہ کہ وہ اپنے ہی جسم کو کچھ فاصلے سے مردہ حالت میں دیکھ رہے تھے۔یعنی ایک شخص اپنی کار میں سفر کر رہا تھا۔راستے میں اُسے سنگین حادثہ پیش آ گیا۔اُس نے بتایا کہ میں حیران تھا کہ میرا جسم کار میں بے جان حالت میں پڑا تھا، اور میں باہر کھڑا ہوا اُسے دیکھ رہا تھا۔لوگ شور مچا رہے تھے، کار کو کاٹ رہے تھے۔پھر انہوں نے میرے جسم کو باہر نکالا اور فٹ پاتھ پر لٹا دیا اور میں یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔۔۔اس کے بعد مجھے ایک گہرے غار میں لے جایا گیا جس کے آخری کنارے پر روشنی نظر آ رہی تھی، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے واپس لایا گیا، میرا اصل جسم حرکت میں آ گیا اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نوعیت کے تجربات سب نے بیان کیے ہیں، یعنی اپنے مردہ جسم کو فاصلے سے دیکھنا، ایک گہرے غار میں اُترنا اور غار کے آخری کنارے پر روشنی کا نظر آنا۔

ایک عورت دل کی مریضہ تھی۔اُسے آپریشن کے لیے آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا۔اُس نے بتایا کہ میں نے ڈاکٹر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس کے دل نے تو حرکت کرنا بند کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی میں اپنے جسم سے نکل کر چھت کے ساتھ معلق ہو گئی اور سٹریچر پر پڑے ہوئے اپنے جسم کو دیکھنے لگی۔میں دیکھ رہی تھی کہ ایک نرس میرے منہ کے ساتھ منہ لگا کر مصنوعی تنفس دینے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔اس اثناء میں مجھے ایک طرف لے جایا گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ میں درختوں اور چٹانوں کے اندر سے گزرتی ہوئی جا رہی تھی حتیٰ کہ مجھے ایک غار میں لے جایا گیا، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے واپس لایا گیا اور میں نے سٹریچر پر پڑے پڑے آنکھیں کھول دیں۔

گویا اس طرح نبی اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی دونوں باتوں کی من وعن تصدیق ہوگئی کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد اُس کے دفن ہونے تک اُس کی روح وہاں موجود رہتی ہے اور جو کچھ اردگرد کے ماحول میں ہو رہا ہوتا ہے، اُسے بقائمی ہوش وحواس دیکھتی ہے۔ گویا اس سے یہ بھی تصدیق ہوگئی کہ روح جسم سے الگ، اپنی ایک علیحدہ، باقاعدہ حیثیت رکھتی ہے۔

ثانیاً حضورؐ نے فرمایا کہ مجرم روحیں سجین میں رکھی جاتی ہیں اور سجین زمین کے اندر ہے۔۔۔ اور چونکہ انٹرویو دینے والے یعنی عارضی طور پر مرنے والے سب غیر مسلم ہیں، اس لیے ان سب نے ایک غار کا ذکر کیا ہے اور وہی سجین کا غار ہے۔

چنانچہ ان معلومات کی روشنی میں جن کی تصدیق عقائد، شواہد اور عقل تینوں اعتبار سے ہو رہی ہے، ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ برمودا مثلث دراصل سجین ہی کا راستہ ہے۔ مضبوط قرائن اس امر کے ہیں کہ لاکھوں فرشتے ہمہ وقت انسانی روحوں کو قبض کر کے سجین کا رُخ کرتے ہیں اور خدائی احکامات کے تحت جلد از جلد انھیں اُن کے ٹھکانے پر پہنچانے کی فکر کرتے ہیں۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں لمحہ بھر کی تاخیر یا رکاوٹ برداشت نہیں کرتے، اس لئے سجین کی طرف سفر کرتے ہوئے جو چیز بھی ان کے راستے میں حائل ہوتی ہے، وہ اُسے کھینچ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس طرح بڑے بڑے ہوائی جہاز، بحری جہاز اور کشتیاں چشم زدن میں غائب ہو جاتی ہیں جن کی اکثریت آبادی کی نسبت سے غیر مسلم اور بے عمل لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے)

کراچی کے مشہور عالم دین مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی روایت کے مطابق ڈاکٹر ریمونڈ اے موڈی نے ''لائف آفٹر لائف'' کے بعد The Light Beyond کے عنوان سے ایک اور کتاب مرتب کی جس میں مزید ایک ہزار افراد سے انٹرویو کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض افراد نے بتایا کہ وہ نیچے چلتے گئے، وہاں ان گنت لوگ تھے، وہ بری طرح چیخ رہے تھے، وہ سب ننگے تھے، وہاں آگ تھی، وہ پانی، پانی پکار رہے تھے۔۔۔ وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ اُن کا شمار کرنا ممکن نہ تھا۔ اس بیان سے سائنس دانوں کی اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ زمین کا اندرونی مرکز سورج ہی کی طرح گرم ہے۔

اور قرائن یہ ہیں کہ مجرم روحوں کو برمودا مثلث کے غار کے راستے زمین کے گرم ترین مرکز میں پہنچایا جاتا ہے۔ گویا مجرم اور ظالم روحیں بغیر کسی تاخیر کے عذاب کے حوالے کردی جاتی ہیں۔

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انٹرویو دینے والوں کی اکثریت نے غار کے آخری کنارے پر جس روشنی کا ذکر کیا ہے، وہ دراصل زمین کے مرکز کی کھولتی، دہکتی آگ ہے، جہاں مجرم روحوں کو مقید کیا جاتا ہے۔

اب غور کریں تو اس امر کو سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ برمودا مثلث کے علاقے میں پُراسرار اڑن طشتریوں کی حقیقت کیا ہے؟ متذکرہ واقعات و مشاہدات کی روشنی میں دراصل یہ فرشتے ہیں جو مختلف روپ دھار کر اس فضا میں محوِ پرواز رہتے ہیں اور وجودیت کے علمبردار، مادیت کے پرستار لوگوں کو زبانِ حال سے چیلنج کر رہے ہوتے ہیں کہ تم خدا کا اس لیے انکار کرتے ہو کہ وہ نظر نہیں آتا، لیکن ہم تو اس وقت مختلف صورتوں میں نظر آ رہے ہوتے ہیں، تب بتاؤ کہ ہم کیا ہیں؟ جرات ہے تو ہمارا بھی انکار کرو، لیکن تم ایسا نہیں کر سکتے کہ ہزاروں لوگ، مختلف وقتوں میں، کھلی آنکھوں سے ہمارا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہمارے حوالے سے حیرت انگیز تجربات سے دوچار ہوتے ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ برمودا مثلث کے اسرار اور اُڑن طشتریوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ دراصل اہل یورپ خصوصاً دہریت والحاد کے امام امریکہ والوں پر عہد حاضر میں اپنی حُجت تمام کر دینا چاہتا ہے تا کہ وہ کھلی آنکھوں سے نظر آنے والے ان معجزات کو دیکھ کر اللہ اور اُس کے دین حق کا اقرار کر لیں اور باطل پرستی کا رویہ ترک کر دیں۔

تو قارئین کرام، ہمیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ برمودا کا مثلث دراصل سجین کا راستہ ہے اور یہاں کی فضاؤں میں اُڑن طشتریاں، عجیب و غریب جہاز اور مافوق سفید بادل دراصل فرشتوں کے مختلف روپ ہیں، اس کے سوا اس کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔۔۔اور ہمیں یہ توجیہہ کرتے ہوئے ذرا بھی کسی Complex میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ (جاری ہے)

مغربی ثقافتی یلغار

میرے گھر کی فضاء کچھ بدلی سی معلوم ہوتی ہے۔ نہ جانے کئی دنوں سے یہ احساس کیوں ہونے لگا ہے کہ کوئی ہمارے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے۔ ہمارے گھر کے معاملات میں دخل اندازی کر رہا ہے۔ ہمارے بھائیوں کے درمیان اختلافات ڈال کر ہمیں کمزور کرنا چاہتا ہے۔ ہماری ماؤں بہنوں کو احساس کمتری کا شکار کر کے باہم لڑائی جھگڑے اور بے حیائی کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ ہماری وہ کتابیں جو ہمارے باپ دادا نے دیں، وہ چھین کر بے ہودہ اور فحش لٹریچر تھمانا چاہتا ہے۔ تا کہ ہمارے مستقبل سے اچھی طرح کھیل سکے۔ یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اور وہ ظالم ہے کون جس نے ہمیں تباہی کے دہانے پر کھڑا کیا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کے جوابات تلاش کئے جائیں تو کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن بات صرف سمجھنے کی ہے۔ جی ہاں! یہ ہے میرا گھر پاکستان جس میں میں اور آپ رہتے ہیں۔ اس میں پانچ بھائی پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور کشمیر آباد ہیں۔ اٹھاون سال سے یہ بڑی محبت کے ساتھ رہ رہے تھے۔ لیکن ۔۔۔۔ اب فضا بدلی ہوئی ہے۔ پورے گھر کی فضا مغربی ثقافت کی لپیٹ میں ہے۔ بے حیائی' آغا خاں تعلیمی بورڈ اور ترک جہاد کی صورت میں یہ ثقافتی بادل اتنے تیزی سے اُمڈ رہے ہیں کہ ذرا سی غفلت سے کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔ شیطان کے ان چیلوں نے مرحلہ وار منصوبہ شروع کیا ہے پہلے انہوں نے پردہ اور حجاب کو جاہلیت کی علامت قرار دیا اور میڈیا پر خوب اچھالا۔ ساتھ ساتھ بے حیائی کو فروغ دیا۔ حکومت وقت کی سرپرستی میں ڈش' کیبل' ٹی وی' وی سی آر' اور فلموں' گانوں کی سی ڈیز کو ایسا عام کیا کہ گھر گھر پہنچا دیں۔ غریب امیر ہر ایک با آسانی گھر بیٹھے بے حیائی دیکھ سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ وہ گھرانے جہاں کبھی بہن بھائی ریڈیو سے نشر ہونے والے فلمی گانے شرم کی وجہ سے اکٹھے بیٹھ کر نہ سن سکتے تھے' آج وہی مسلم گھرانے ہیں کہ بہن بھائی کیا ماں باپ' ساس بہو ایک ساتھ بیٹھے مکمل عریاں مناظر دیکھتے ہیں۔ لیکن ان کی پیشانی پر شرم و حیاء کی باریک سی لکیر بھی نہیں ابھرتی۔ گویا کہ حیاء کا پانی ہی ان کی آنکھوں سے ختم ہو چکا ہے۔ قربان جایئے صاحب اقتدار پر کہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس کو روشن خیالی کا نام دے کر سرپرستی

کررہے ہیں۔دوسری طرف یہود ونصاریٰ عصری تعلیم کے ذریعے ہماری ثقافت یعنی نوجوان نسل کے افکار و خیالات، عقائد اور نظریات کو یکسر تبدیل کررہے ہیں۔یہ آج کا تیار کردہ منصوبہ نہیں بلکہ 170 سال قبل 7 مارچ 1835ء کو تیار کیا گیا جب انگریزی تعلیمی نصاب کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا صدر ''لارڈ میکالے'' تھا۔لارڈ میکالے نے صدارتی خطاب میں کہا ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو کروڑوں کے درمیان ہماری مترجم اور نمائندہ ہو۔یہ جماعت شکل وصورت کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر سوچ وفکر کے لحاظ سے انگریز ہو''۔اس کے بعد 1918ء میں یہودیوں نے ایک سازش تیار کی۔یہ سازش خفیہ دستاویز کی شکل میں تھی جس میں وہ تمام منصوبے اور سازشیں موجود تھیں جن پر آج یہودی ونصرانی امریکہ کی سرپرستی میں سبک رفتاری سے عمل پیرا ہیں۔یہ وہی دستاویز ہے جو یورپ میں (Zions protects of the Elders of) کے نام سے مشہور ہے۔''آغا خان تعلیمی بورڈ'' بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔جس کی منظوری 13 اگست 2003ء کو ایک ایسی تقریب میں دی گئی جس میں امریکی سفیر ''نینسی پاول'' نے سابقہ وفاقی وزیر زبیدہ جلال اور یونیورسٹی کے ریکٹر پرنس آغا خاں کے پاکستان میں نائب وخاص ڈاکٹر قاسم لاکھانی کے ساتھ 45 ملین ڈالرز کی گرانٹ کے معاہدہ پر دستخط کئے۔یہ انوکھی گرانٹ تھی جو حکومت کے علاوہ کسی نجی ادارہ کو اتنی بڑی مقدار میں دی گئی۔حالانکہ ملک میں پہلے ہی 24 سے زائد تعلیمی بورڈ موجود ہیں لیکن یہ بھاری بھرکم گرانٹ صرف آغا خاں تعلیمی بورڈ کو دینے کا کیا مقصد؟اس سے بات واضح ہوتی ہے کہ امریکہ پاکستان کے نظام تعلیم کو اپنے پالتو ایجنٹوں کے ذریعے ہر صورت بدلنا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امریکہ ترک جہاد کا نعرہ لگا کر ہمیں دفاعی اعتبار سے کمزور کرنا چاہتا ہے۔یہ نعرہ آج کا نہیں بلکہ درجنوں سال پہلے اس نعرہ کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے انگریز نے مرزا غلام احمد قادیانی کو استعمال کیا۔لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اس نے تحریک نبوت کے نوجوانوں کی قربانی قبول فرما کر اس فتنہ سے ہماری حفاظت کی۔اس وقت امریکہ اور اس کے حواری جہاد کو بدنام کرنے اور رب کائنات کی محبت مسلم نوجوانوں کے دلوں سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں۔

آئے دن نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ سب سے بڑا واویلا یہ ہے کہ مسلمان جہاد کے نام سے دنیا کو دہشت گردی کی آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ اسلام شدت پسند اور دہشت گرد مذہب ہے۔ یہ واویلا میڈیا کے ذریعے سے اتنا اچھالا گیا کہ آج اپنوں کی زبانیں بھی غیروں کے بول بولنے لگی ہیں۔

غیروں کی نفرتوں کا گلہ ہم نے کب کیا
اپنوں کی شفقتوں کے ستائے ہوئے ہیں ہم

تو میرے بھائیو! اب سوچنا یہ ہے کہ اس وقت جتنے بھی چیلنجز قوم کو درپیش ہیں ان سے نپٹنا' مقابلہ کرنا اور قوم کا دفاع کرنا کس کے ذمہ ہے؟ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ سب ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے کیونکہ نوجوان ہر قوم کا سرمایہ ہوتا ہے۔ قوموں کا عروج و زوال' نشیب و فراز اس کے نوجوانوں پر ہوتا ہے۔ نوجوان ایک طاقت' قوت' وقت کی آواز' گفتار اور للکار ہوتا ہے۔ قوم کو اس سے بہت سی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور غیروں کو سب سے زیادہ خطرہ بھی انہی نوجوانوں سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی منصوبے تیار ہوتے ہیں ان کا اصل ٹارگٹ نوجوان طلباء ہوتے ہیں۔ جیسا کہ راقم نے مغربی یلغار کے تین ایشوز اٹھائے ہیں۔

بے حیائی کا فروغ' آغا خاں تعلیمی بورڈ اور ترک جہاد۔ اس بات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ ان تینوں ایشوز میں اصل ٹارگٹ نوجوان طلباء ہیں۔ چونکہ امریکہ و مغرب کو معلوم ہے کہ اگر وہ اس نوجوان نسل کو کنٹرول کر لیتے ہیں تو مستقبل کی ساری قوم اور قیادت اُن کی مٹھی میں ہوگی۔ اس لئے آئے دن ہمیں اسلامی تعلیمات اور علماء سے دور کیا جا رہا ہے ہمارے سکول و کالجز اور یونیورسٹیاں جہاں پہلے ہی اسلامی تعلیم برائے نام ہوتی ہے انہیں بھی مکمل طور پر اسلام سے بیگانہ کیا جا رہا ہے اور جہاد جیسے عظیم فریضہ سے دور کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں بے حیائی کے سونامی میں دھکیل کر ہماری غیرت کا جنازہ نکالا جا رہا ہے چونکہ جو قوم بے حیا ہو جائے تو ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ جس کی زندہ جاوید مثال جرمنی کی صورت میں موجود ہے۔ جس پر تاریخ کے اوراق شاہد ہیں۔

دوستو! اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو لمحہ بہ لمحہ قدم بہ قدم راہنمائی کرتا ہے۔ کسی موڑ پر اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اسی لئے اسلام نے حیاء کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے۔ اسلام بے حیائی سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے گروہ میں فحاشی پھیلے وہ دنیا و آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ (عذاب کی شدت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

(سورۃ نور۔19)

یہ تو اس شخص کے بارے میں ہے جو غیر کے بارے سوچے جو خود اس کا شکار ہو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس طرح نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم بے شک میں غیور ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے اور اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس نے فحاشی، بے حیائی، بے شرمی اور بدکاری سے منع فرمایا ہے''۔

(مسند احمد جلد صفحہ 362)

آگے عمل کی ذمہ داری ہماری ہے۔

دوستو اور عزیزو! ایک طرف تو ہمیں بے حیاء بنانے کی کوشش ہے، دوسری جانب ہمارے نصاب تعلیم پر شب خون مارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ آغا خاں تعلیمی بورڈ کی صورت میں ایک بھیانک سازش کو عملی جامہ پہنایا جارہا ہے۔ آغا خاں (اسماعیلی) تعلیمات میں سوائے کفر و الحاد اور شرک کے کچھ نہیں اور اسی کی تعلیم وہ ساری پاکستانی قوم کو دینا چاہتے ہیں اور ہماری نسل نو سے نظریہ پاکستان چھین کر سیکولر بنانا چاہتے ہیں۔ تیسری جانب رب کائنات کو سب سے زیادہ محبوب دین صرف اسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دیا جارہا ہے۔

دوستو! اصل حقیقت یہ ہے کہ دہشت گردی کسی بھی انسانی معاشرہ میں جنم لے سکتی ہے۔ اس کا کوئی دین، مذہب، ملت اور وطن نہیں ہوتا۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کہیں اپنے ملک و ملت، رنگ و نسل، قوم و قبیلہ اور زبان و ثقافت کے تفاوت و برتری کا خودساختہ تصور انسان کو دیگر اقوام کے خلاف دہشت گردی پر اکساتا، تو کہیں اپنے عقائد و ادیان، افکار و نظریات کو دوسروں پر زبردستی مسلط

کرنے کا جنون اس کا باعث بنتا رہا ہے۔اس ضمن میں اگر یہودیوں اور عیسائیوں کے پیشواؤں' کمیونزم' سوشلزم اور نازی ازم کے پجاریوں برصغیر پاک و ہند میں انگریز وسط ایشیاء میں روس' الجزائر و مراکش میں فرانس' ہیروشیما' ناگاساکی' ویتنام اور کوریا میں امریکیوں کی لاکھوں انسانوں کے خلاف دہشت گردی کو قصہ ماضی سمجھتے ہوئے بھلا بھی دیا جائے تو بھی موجودہ دور میں ہندوستان و کشمیر میں انتہاپسند ہندو بنئے' فلسطین میں یہودی' برما و تھائی لینڈ میں بدھ مت' کوسوو' بوسنیا' فلپائن' افغانستان اور عراق میں عیسائیوں کے انسانیت کے خلاف بھیانک جرائم کو دہشت گردی کے علاوہ کیا نام دیا جاسکتا ہے۔اگر مسلمان اپنے دفاع کے لئے علم جہاد بلند کرتے ہیں تو دہشت گرد ہیں اور کفریہ طاقتیں خون کی ندیاں بہا کر بھی امن کی ٹھیکیدار ہیں؟ کیا ہوگیا ہے اہل حق کو؟ سمجھتے کیوں نہیں؟ ان کی نظریں حق دیکھنے سے کیوں قاصر ہیں ---؟ جب دیکھتی ہیں الٹا ہی دیکھتی ہیں۔

دوستو! اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہماری ذمہ داری کیا ہے ---؟ جی ہاں --- ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم سچے مسلمان بن جائیں۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا' وضع قطع' رہن سہن دوستی و دشمنی' معاملات و معاشیات' اقتصادیات اور اخلاقیات ہمارے پیارے نبی ﷺ کے طریقے کار کے مطابق ہوجائیں۔ یہ ایسی ثقافت ہے کہ خود مغرب کے اپنے مورخ اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ ہم اپنے آپ کو درست کرلیں تو غیر کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنی گندی اور غلیظ ثقافت زبردستی ہمارے سر تھوپے۔ میرا اور آپ کا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم تعلیم کسی مشن اور مقصود کو سامنے رکھ کر حاصل کریں۔ تعلیم کا مقصد محض دنیاوی آسائش حاصل کرنا نہ ہو اور نہ یہ کہ کسی اونچی پوسٹ یا عہدہ کی تلاش ہو۔ ایک نظریاتی مسلم طالب علم کے لئے چاہے وہ کلاس روم میں ہو یا کسی ایئر کنڈیشنڈ آفس میں --- اسلام ہمیشہ مقدم ہو اور ذہن میں ہر وقت اسلام کی تبلیغ اور جہاد کے ذریعے اسلام کے غلبہ کی فکر ہو۔ چاہے صحافت کا میدان ہو' تدریس کا میدان ہو یا جہاد کا عظیم فریضہ ہو' کسی بھی میدان میں اُتر کر اسلام اور پاکستان کے لئے خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔ اللہ ہمیں عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ (بشکریہ ماہنامہ 'ضرب طیبہ'')

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف وکرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد و اذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چاردیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غیر وارثتی ہوگا۔

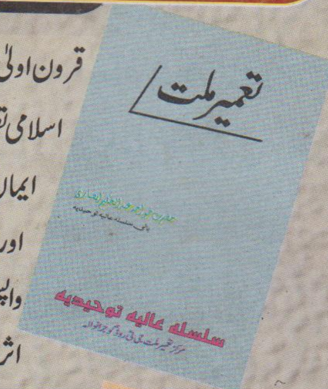
6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب ونظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم از کم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہوکر داخل سلسلہ ہو۔

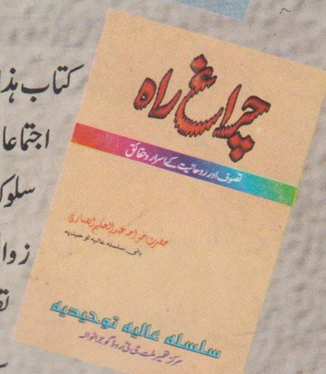
8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہوجانے کی۔

Monthly **FALAH-E-ADMIYYAT**

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

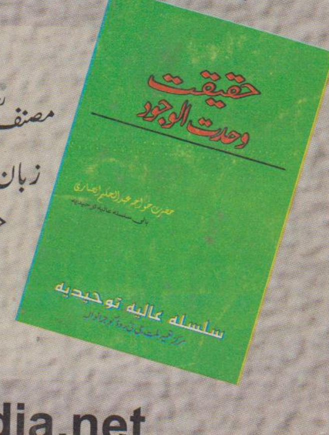
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیۓ۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔

مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Website: www.toheedia.net